روایت پرستی کے حق میں ایک ضعیف روایت

مِثلُہٗ مَعَہٗ کی حقیقت

از

جامع العلوم، محدث العصر علامہ تمنّا عمادی پھلواروی

شائع کردہ

الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

مکان نمبر ۳۔ ۷۔ اے بلاک ۱ ناظم آباد

نزد مسجد قدوسیہ۔ کراچی ۷۴۶۰۰

فون : ۶۶۱۴۴۹

روایت پرستی کے حق میں ایک ضعیف روایت

مِثْلُهُ مَعَهُ کی حقیقت

از

جامع العلوم، محدث العصر، علامہ تمنّا عمادی پھلواروی

الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)
مکان نمبر ۳-۷-اے بلاک ۱ ناظم آباد
نزد مسجد قدوسیہ۔ کراچی ۷۴۶۰۰
فون ۶۲۱۴۳۹

نام کتاب : مسئلۂ متعہ کی حقیقت
مؤلف : علامہ تمنّا عمادی پھلواروی
طابع : روحانی ڈائجسٹ پریس، ناظم آباد کراچی
قیمت : ۱۲/۔ روپے
ناشر : الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)
ناظم آباد نمبر ۱، کراچی
فون : ۶۲۱۳۴۹

قرآن کے خلاف دشمنان قرآن ملحدین کی منافقانہ سازشیں

ملحدین جو تابعین کے لبادے اوڑھ کر منافقانہ زہدو ورع اور ریا کارانہ پابندی صوم و صلوٰۃ کے ذریعے عام مسلمانوں میں بآسانی اپنا اثر و رسوخ قائم کر لیتے تھے انھوں نے عجمی اسیران جنگ میں سے (جو غلامی سے آزادی حاصل کرکے موالی کے لقب سے مشہور تھے) ایک بڑی جماعت کو اپنا شریک کار بنا کر مسلمانوں اور اسلام کے خلاف ایک زبردست جدو جہد شروع کی۔ سب سے پہلے ایران کے ایک مجوسی قیدی ابو لولو فیروز کے ہاتھوں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو منصب شہادت تک پہنچانے کے بعد جب انتخاب خلیفہ کے وقت کوئی فتنہ برپا نہ کر سکے تو منتخب خلیفہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے خلاف مرکز اسلام سے دور دراز مقامات میں جا جا کر عوام میں ایسی باتیں بیان کرنے لگے جن سے عام مسلمانوں میں خلیفہ وقت کی طرف سے نفرت کے جذبات پیدا ہوں ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ضرورت محسوس کی گئی کہ ان کے مقابل کسی دوسرے کو بھی پیش کیا جائے تاکہ عوام اگر کسی وقت موجودہ خلیفہ کے خلاف شورش برپا کرکے ان کو معزول کر دیں تو فوراً اس متبادل کو ان کی جگہ خلیفہ بنا دیا جائے اس کے لئے انھوں نے حضرت علیؓ کو اطلاع دیئے بغیر ان کا نام استعمال کرنا شروع کر دیا۔ ان کے فضائل و مناقب میں جھوٹی حدیثیں بنا بنا کر ہر جگہ ان جھوٹی حدیثوں کو مشہور کرنا شروع کیا چنانچہ ایران کے وہ علاقے جو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہی کے زمانے میں فتح ہو چکے تھے اور کوفہ و بصرہ اور شام و عراق کے علاقوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل بیت کی منقبت کی حدیثیں

پھیلائی جانے لگیں، اور خاندان پرستی کی بنیاد مسلمانوں میں تفریق ڈالنے اور اپنے پنجے گاڑنے کے لئے کوششیں شروع کر دیں۔ دور دراز ملکوں کے عوام سیدھے سادھے تو مسلم ان منافقین کو مقدس تابعین اور ان کی من گھڑت حدیثوں کو واقعی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ کر یقین کرلیتے تھے، بلکہ ان جھوٹی حدیثوں کو یاد کر لیتے تھے اور پھر وہ بھی دوسروں سے روایت کیا کرتے تھے۔ آخر منافقین کوفہ بصرہ اور مصر سے ایک جماعت بلوائیوں کی مہیا کر کے آخر ماہ شوال ۳۵ ھ میں ایسے وقت مدینے طیبہ میں فتنہ برپا کرنے کے ارادے سے پہنچے جب کہ مدینے سے ایک بہت بڑی جماعت حج کے ارادے سے مکہ معظمہ روانہ ہوچکی تھی اور مدینے سے کچھ بوڑھے کچھ بچے کچھ عورتیں اور کچھ بیمار لوگوں کے سوا تقریباً کل آدمی باہر تھے، ان منافقین اور ان کے چیلوں نے آخر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت قبول کرنے پر مجبور کیا جسے انھوں نے بادل ناخواستہ قبول کیا، مگر ان بلوائیوں اور منافقوں کے سبب سے ان کو ایک دن بھی آزادانہ فرائض خلافت اپنی مرضی کے مطابق انجام دینے کا موقع نہ مل سکا۔ جنگ جمل و جنگ صفین انھیں منافقین اور ان کے تیار کئے ہوئے بلوائیوں کی وجہ سے واقع ہوئیں اور پھر آخر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی انہیں ظالموں کی ریشہ دوانیوں کی بدولت جام شہادت پینا پڑا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد انھیں منافق بلوائیوں نے حضرت حسنؓ بن علی کو خلافت کی گدی پر بٹھا کر باپ کے بعد بیٹے کی جانشینی کی رسم بد اور بدعت کی ابتدا کی مگر حضرت حسنؓ ان منافقین کے رویے سے بہت حد تک واقف ہوچکے تھے بتقاضائے مصلحت اس وقت تو فتنہ فرو کرنے کے

لئے اپنے والد کی طرح ان لوگوں کی بات مان لی، اور منصب خلافت کو بادل ناخواستہ قبول کرلیا۔ مگر چھ ہی ماہ کے بعد خلافت سے دست بردار ہوکر الگ ہوگئے اور اپنا جانشین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کرکے خود سبکدوش ہوگئے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا یہ مصلحانہ فعل اور ان کی یہ عاقلانہ صلح ان فتنہ پردازوں پر بہت شاق گذری کہ اب تو فتنوں کے سارے دروازے بند ہوگئے اور اس کے ذمہ دار تنہا حضرت حسن رضی اللہ عنہ تھے۔ اس لئے ایک خانگی سازش کرکے ان کو زہر دلوا کر شہید کر ڈالا۔ اور اس طرح اس مصالحت کا انتقام لیا۔ ان کی شہادت کا الزام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یا یزیدؒ پر رکھنا بھی انہی منافقین کے چیلوں کا کام ہے ان دونوں کا تو ان کی زندگی ہی میں فائدہ تھا ان کی شہادت ہی کی وجہ سے توکوئی مفسدین کو اس کا موقع ملا کہ اب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لئے کھڑا کریں۔ اگر حضرت حسنؓ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد زندہ رہتے تو اس وقت بھی خلافت قبول کرنے کے لئے کبھی تیار نہ ہوتے اور نہ حضرت حسینؓ کو تیار ہونے دیتے۔ ان کی صلح جو فطرت اور مصالحانہ روش کا تجربہ ہوچکا تھا اس لئے کوئی وجہ ہی نہ تھی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یا یزیدؒ کوئی بھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات چاہتا۔

بہر حال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے وقت تک تو ان کی شہرہ آفاق سیاست دانی و دور اندیشی کی وجہ سے ان فتنہ پردازوں کو کسی کامیاب فتنہ پردازی کا موقع نہ مل سکا۔ جہاں کہیں بھی ذرا سر اٹھایا وہیں کچل دیا گیا۔ مگر ان کی وفات کے بعد آخر حضرت حسینؓ کو کسی طرح دعویٔ خلافت پر تیار کرلیا گیا اور ان کو فریب دے کر کوفیوں نے کوفہ

بلایا اور راستے ہی میں بمقام کربلا شہید کر ڈالا انھیں کی سازشوں سے تین برس بعد واقع حرہ ہوا - پھر حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کو بھی جام شہادت پینا پڑا - اس کے بعد پھر مسلسل کئی سال تک مسلمانوں میں خونریزیاں ہوتی رہیں مگر اسقدر سیاسی انتشار کے بعد بھی مسلمانوں کا دینی شیرازہ منتشر نہ ہوا ۔ اور عقائد و عبادات اور اصول اخلاق و اصول معاملات میں سب کے سب متحد رہے اگر بعض فروعی اجتہادی مسائل میں کچھ شخصی اختلاف دو قاضیوں کے درمیان ہوا تو اس کو دینی انتشار نہیں کہا جاسکتا۔ اجتہادی مسائل میں اس قسم کے دینی اختلافات کا ہونا ناگزیر ہے تفاوت فکر و عقل اور اختلاف طریق غور و فکر کے علاوہ مقام ضیق و مقام وسعت کا فرق بھی ایک ایسی چیز ہے کہ ایک ہی جیسے مسئلے میں دو جگہ دو قاضی دو طرح کے باہم مختلف فتوے اور فیصلہ کریں۔

مسلمانوں میں تفرقہ پھیلانے کے لئے مختلف محاذوں کا انتخاب

پہلا محاذ روایت سازی

غرض ملحدین کو یہ دیکھ کر سخت تعجب ہوا کہ یہ عجب طرح کی قوم ہے کہ اس کے رسول ؐ کے تین خلفا شہید کر دیئے گئے دو نواسوں کو جام شہادت پلا دیا گیا ان کے درمیان اتنی خونریزیاں کرا دی گئیں پھر بھی ان کا شیرازۂ قومیت ایک ہی ہے اور اتنے انتشار کے باوجود آج بھی دوسروں کے مقابل یہ سب کے سب ایک ہی ہیں چونکہ ان سبھوں کا دین ایک ہے اس لئے ضرورت اس کی ہے کہ ان لوگوں کے درمیان

دینی فرقہ بندیاں پیدا کر کے ان کے دینی شیرازے کو توڑ دیا جائے تاکہ ان کی مختلف جماعتیں ہو جائیں اور ہر جماعت کا دین دوسرے سے اتنا الگ اور مختلف ہو جائے کہ ایک دوسرے کو کافر ورنہ گمراہ تو ضرور کہے مگر یہ دشواری بھی محسوس کی کہ اس قوم کا قومی شیرازہ صرف دین ہے اور ان کا دین ان کی کتاب قرآن میں منحصر ہے۔ قرآن میں فرما دیا گیا ہے کہ **وما اختلفتم فیہ من شئی فحکمہ الی اللہ** (   ) تم نے جس کسی بات میں اختلاف کیا اس کا فیصلہ اللہ کی طرف رجوع ہوکر رہے گا یعنی اللہ کی کتاب قرآن تمہارے پاس موجود ہے اس کے سامنے پیش کر دو۔ ہر دینی اختلاف کا فیصلہ ہوکر رہے گا۔ اور اگر تم نے دنیا میں قرآن کے سامنے اپنے اختلاف کا فیصلہ نہ کیا تو پھر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارے سارے باہمی اختلافات پیش ہوکر رہیں گے اور اس دن تمہارے اختلافات کا صحیح فیصلہ ہو جائے گا۔ تو جب یہ لوگ قرآن کی طرف متوجہ ہوں گے ان کا اختلاف بڑی آسانی کے ساتھ مٹ جائے گا۔ اس لئے ایسی صورت نکالنی چاہیئے کہ ان سے قرآن بالکل چھن جائے مگر فوراً ہی اس کو بھی محسوس کر لیا کہ ان سے قرآن کا چھین لینا ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ اول تو ہر گھر میں قرآن کے متعدد نسخے موجود ہیں، عورت۔ مرد۔ بوڑھے، جوان، یہاں تک کہ بچے اور بچیاں قرآن پڑھا کرتی ہیں اور روزانہ تلاوت کا معمول ہے پھر تقریباً اسی فیصد مرد اس قوم کے حافظ قرآن ہیں۔ اس لئے اس قوم سے اس کتاب کا چھین لینا بالکل محال ہے تو پھر کوئی ایسی صورت نکالنے کی ضرورت ہے کہ قرآن کے مقابل کوئی دوسری ایسی چیز ان کے سامنے پیش کر دی جائے جس کو یہ قرآن کے برابر سمجھ کر اس کی طرف متوجہ ہو جائیں اور اس دوسری چیز کی طرف

ان کی توجہ اس قدر مبذول کرا دی جائے کہ یہ قرآن سے دور ہو جائیں اور ان کا انہماک جو قرآن کی طرف ہے وہ باقی نہ رہے - ان مفسدین کو ان کی سابق فتنہ پردازیوں کے درمیان اس کا تجربہ ہوچکا تھا کہ یہ جھوٹی جھوٹی حدیثیں فضائل و مناقب وغیرہ کی بنا بنا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے عام مسلمانوں کے سامنے پیش کرتے تھے - تو بیچارے سیدھے سادھے عوام فوراً اس کو قبول کر لیتے تھے بلکہ یاد کر لیتے تھے اور خود اس کی روایت دوسروں سے کرنے لگتے تھے - اس سے ایک چیز تو ان کو یہ معلوم ہوگئی کہ ہم جو بات قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر عوام کے سامنے بیان کریں گے - عامۃ المسلمین ضرور اس کو مان لیں گے - اس لئے دین اسلام کے ہر رکن ہر کام اور ہر بات کو مختلف طریقے سے ان جھوٹی حدیثوں کے ذریعے مختلف کر دیا جائے تاکہ ان مسلمانوں کا عقیدہ و عمل ایک طرح سے باقی نہ رہے جب مختلف عقیدے اور مختلف طرح سے ان کے اعمال ہو جائیں گے تو ضروری ہے کہ یہ ایک قوم مختلف جماعتوں میں ان مختلف حدیثوں کی وجہ سے بٹ جائے اور پھر ایک دوسرے کو بد سر غلط اور گمراہ سمجھنے لگے اور بالآخر ایک دوسرے کو کافر کہنے اور سمجھنے لگے - اور چونکہ حدیثیں نئی چیز ہوں گی اور ہر نئی چیز کی طرف طبائع کا رجحان عموماً زیادہ ہوا کرتا ہے اس لئے قرآن سے زیادہ لوگ حدیثوں کی طرف متوجہ ہو جائیں گے چنانچہ یہی ہوا کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا شور ان منافقین نے مچایا اور لوگوں کو جمع احادیث پر اس قدر ابھارا کہ رفتہ رفتہ تمام ممالک اسلامیہ میں ہزاروں راویان احادیث اور سینکڑوں جامعین احادیث پیدا ہوگئے اور لوگوں کی توجہ قرآن کی طرف سے اس قدر ہٹ گئی کہ علماء و فقہا و

مقتین وغیرہم اپنے فتووں اور فیصلوں میں قرآن سے استنباط مسائل و استدلال کے عوض حدیثوں ہی سے کام نکالنے لگے۔ اس روایت پرستی کو منوانے کے لئے انھوں نے ایک حدیث گڑھی جسمیں قرآن کو بے مثل ماننے سے انکار کیا گیا ہے اور حدیثوں کو قرآن کا مثل بتایا گیا ہے نعوذ باللہ من ذلک حالاں کہ یہ روایت بالکل جعلی اور گڑھی ہوئی ہے۔ اس کا وجود نہ بخاری میں ہے نہ مسلم میں، موطا میں تو اسکے ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسکے راویوں کی حقیقت خود ان محدثین کے اصول کے تحت بالکل گری گندی ہے۔ تفصیل ملاحظہ ہو۔

مثلہ معہ والی روایت کی حقیقت

قرآن مبین کا یہ دعویٰ ہے کہ مافرطنافی الکتب من شئی (۶ / ۳۸) اس کتاب میں ہم نے کوئی کمی نہیں چھوڑی ہے اور ارشاد ہے ونزلنا علیک الکتب تبیانا لکل شئی (۱۶-۸۹) ہم نے اس کتاب کو تم پر اتارا ہے دین کی ہر بات کو واضح طور سے بیان کر دینے کیلئے۔ تبیان کے معنی ہیں کسی بات کو وضاحت کے ساتھ بیان کرنا۔ احکام دین اور اوامر و نواہی کے لئے کتاب اللہ کی صاف و صریح آیتیں ہی رکھی گئیں جو حضرت جبرئیل امین کے ذریعے رسول تک پہنچی ہیں۔ ابتدائے نزول سے ختم نزول تک جن کی کتابت، جن کے حفظ اور روزانہ کی تلاوت اور تعلیم و تعلم کا سلسلہ بلاناغہ رات دن تمام صحابہ میں رہا۔ اس طرح ان آیات کا ایک ایک حرف ہر طرح محفوظ رہا۔ کتاب اللہ کی حفاظت کا جو وعدہ کیا گیا ہے انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون۔ (۱۵-۹) ہم نے اس نصیحت

کی کتاب کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں تو اس سے مراد اوراق یا حروف و نقوش کی حفاظت نہیں ہے بلکہ اصل دین کی حفاظت کا وعدہ مقصود ہے۔ اگر دین ہی محفوظ نہ رہا تو کتاب رہی تو کیا اور نہ رہی تو کیا کتاب تو دین ہی کی تعلیم کے لئے آتی ہے اس لئے اس کتاب کی حفاظت کے معنی ہی یہ ہیں کہ دین ہر طرح محفوظ رہے۔ اسی لئے دین کے تمام احکام، سارے اوامر ونواہی اسی کتاب میں محصور رکھے گئے اور اسی کتاب کو "تبیانا لکل شئی ۱۶/ ۸۹" کہا گیا۔ اگر قرآن سے باہر حدیثوں میں بھی بعض ایسے احکام، بعض ایسے اوامر و نواہی، اور بعض ایسے حلال و حرام ہیں جن کا تعلق قرآن سے کچھ نہیں یعنی قرآن مبین ان کے متعلق اثبات و نفی دونوں حیثیت سے بالکل خموش ہے۔ تو پھر قرآن کا یہ دعویٰ کہ یہ کتاب۔ تبیانا لکل شئی دین کی ہر بات بیان کرنے کے لئے اتری ہے اور اس میں کسی طرح کی کمی نہیں چھوڑی گئی" یہ دونوں دعوے غلط ہو جاتے ہیں۔ معاذ اللہ من ذالک و من اصدق من اللہ قیلا۔ اللہ سے بڑھکر بات کا سچا کون ہو سکتا ہے؟

وحی تشریعی صرف قرآن ہے

وہ وحی جس کا تعلق احکام شریعت دینی اوامر و نواہی اور حلال و حرام سے یا تبشیر و تنذیر سے ہے وہ صرف قرآن مبین اور اس کی آیتیں ہیں۔ جیساکہ خود قرآن ہی میں فرمایا گیا ہے کہ قل اللہ شہیدا بینی و بینکم و اوحی لی ھذا القران لا نذرکم بہ و من بلغ (٦ ـ ١٩) "کہدو (اے رسولؐ) کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے کہ میری طرف یہی قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعے ہم تمہیں (نتیجہ کفر سے)

ڈرائیں ، اور جس کے پاس یہ پہنچ جائے اس کو بھی۔" اور فرمایا گیا آخر سورۃ قاف میں وفذکر بالقران من یخاف وعید (۵۰۔۴۵) جو میری دھمکیوں سے ڈرتا ہو اس کو قرآن کے ذریعے نصیحت کریئے تو خیال کیجئے کہ تذکیر و تنذیر تک میں قرآن ہی کا پابند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رکھا گیا اس لئے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے الفاظ میں بھی لوگوں کو دینی باتیں سکھاتے ہوں گے تو قرآنی ہی مضامین بیان فرماتے ہوں گے۔ کیونکہ آپ کو قرآن ہی کی تبلیغ و تبیین اور قرآن ہی کے مطابق تنذیر و تذکیر کا حکم تھا۔ تو جب تبیین و تنذیر و تذکیر میں قرآن کی پابندی تھی تو پھر قرآن سے باہر اوامر و نواہی اور حلال و حرام بیان کرنے کی اجازت کب ہو سکتی ہے؟ اور کہاں سے ہو سکتی ہے؟

احادیث کے لئے قرآن کریم معیار ہے

اسی لئے حدیثوں کی صحت کا اصلی اور قطعی معیار مطابقت قرآن مبین ہے اسلئے کہ یہ ناممکن ہے کہ قرآن میں کچھ فرمایا جائے اور حدیث میں کچھ اور وارد ہو۔ جس رسول پر قرآن کا اتباع فرض ہو وہ قرآن کے خلاف کس طرح بول سکتے ہیں؟ اور قرآن سے باہر دینی احکام کیا اپنے جی سے بیان فرمائیں گے۔ جبکہ دینی احکام قرآن سے باہر ہو ہی نہیں سکتے اس لئے حدیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تکثر لکم الاحادیث بعدی فما روی لکم حدیث عنی فاعرضه علی کتب الله فما وافقه فاقبلوه و ما خالفه فردوه۔" میرے بعد حدیثوں کی بڑی کثرت ہوگی تو جو حدیث میری طرف منسوب کرکے تمہارے سامنے روایت کی جائے۔ اس کو کتاب اللہ کے سامنے پیش

کرو۔ اگر اس کے موافق ہو تو قبول کرو اور اگر اس کے خلاف ہو تو رد کرو۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں پہلے موجود تھی۔ بعد کو یاران طریقت نے دیکھا کہ اس حدیث سے تو سینکڑوں حدیثیں غلط اور قابل رد ٹھہر جائیں گی۔ اسلئے اس حدیث کو بخاری کے نسخے سے نکال پھینکا مگر قدیم کتابوں میں بخاری کے حوالے سے یہ حدیث موجود ہے۔ چنانچہ توضیح و تلویح۔ جو اصول فقہ حنفی کی نہایت مشہور و معروف کتاب ہے اور تقریباً تمام عربی مدارس کے نصاب تعلیم میں داخل ہے۔ اس میں بخاری کے حوالے سے یہ حدیث مذکور ہے۔ اس پر علامہ تفتازانی نے کچھ خفگی کا بھی اظہار کیا ہے مگر اس روایت کو بخاری کی روایت مانتے ہوئے۔ پھر سید السند نے علامہ تفتازانی کا جواب بھی اپنے حاشیہ میں دیا ہے، اور کہا ہے کہ یہ بخاری کی حدیث ہے جسکا تمہیں انکار نہیں لہٰذا اس حدیث کی صحت کیلئے یہی کافی ہے کہ اس کو امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں درج فرمایا۔ غرض ان تینوں بزرگوں کے وقت تک یہ حدیث صحیح بخاری میں موجود تھی۔ صحیح بخاری کے علاوہ مسند امام احمد میں، جاحظ کی کتاب البیان ج ۲۔ ۱۴ میں، تفسیر ابن جریر طبری ج ۲۵۔ ۶۱ میں، ملاجیون کی تفسیر احمدی میں اور شیعوں کی سب سے پہلی اور سب سے زیادہ مستند کتاب حدیث "اصول کافی" میں بھی موجود ہے تھوڑے الفاظ کے فرق کے ساتھ۔ اس لئے صحیح حدیثیں وہی ہیں جو قرآن کے مطابق ہوں جو حدیث

۱۔ امام اعظم ابو حنیفہ کے سب سے اہم شاگرد اور تاریخ اسلام کے پہلے قاضی القضاۃ امام ابو یوسف نے اپنی کتاب الرد علی سیر الاوزاعی (مطبوعہ دکن) میں حدثنا الثقۃ کہہ کر یہ حدیث بیان کی ہے اور اسے احناف کا بہت اہم اصول قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حنفی اصول فقہ کی تمام معتبر کتابوں اصول سرخی اور اصول بزدوی سے لے کر نور الانوار اور اصول الشاشی تک میں اس حدیث کو پیش

بھی خلاف قرآن ہو خواہ وہ کیسے ہی قوی سے قوی اور اعلٰی سے اعلٰی اسناد سے کیوں نہ مروی ہو اور کتنے ہی طرق سے اسکی روایتیں آئی ہوں یقیناً اس کے وہ تمام طرق موضوع و مکذوب ہیں۔

سکوت قرآن

کہا جاتا ہے کہ جو حدیث قرآن کے موافق ہو تو وہ تو فریقین کے نزدیک صحیح ہے اور جو حدیث قرآن کے مخالف ہو وہ فریقین کے نزدیک غلط اور موضوع۔ مگر تیسری قسم کی ایسی حدیث بھی ہوسکتی ہے جو ایسے مضامین پر مشتمل ہو جن سے قرآن خاموش ہے اس لئے ایسی حدیثیں اگر قرآن کے موافق نہیں ہیں تو مخالف بھی تو نہیں ہیں۔

مگر یہ سخت دھوکا ہے۔ اگر وہ حدیثیں دینی احکام، شرعی اور اوامر و نواہی اور حلال و حرام کے متعلق نہیں ہیں یعنی غیر تشریعی ہیں اور درایت کے بھی خلاف نہیں تو غیر تشریعی ہونے کی وجہ ہوسکتا ہے کہ وہ صحیح ہوں۔ تو غیر تشریعی حدیثیں ہمارا موضوع بحث نہیں ہیں۔ اور اگر دینی احکام اور حلال و حرام سے ان کا تعلق ہے اور ایسے احکام اور ایسے حلال و حرام بیان کر رہی ہیں جن سے قرآن خاموش ہے تو ایسی حدیثیں ضرور قرآن کے خلاف ہیں۔ ایک موٹی بات تو یہی ہے کہ قرآن جس مسئلے میں خاموش ہے حدیث اگر قرآن کے موافق ہے تو اس کو بھی خاموش ہی رہنا چاہیئے۔ ایسی جگہ حدیث کا زبان کھولنا ضرور قرآن کی مخالفت ہے۔

کرکے اس دوم اصول کی تائید کی جاتی ہے۔ عالم اسلام میں حنفی حضرات کل مسلم آبادی کا دو تہائی ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث میں بیان کردہ اصول کی صحت پر مسلمانوں کی عظیم ترین اکثریت متفق ہے۔ (طاہر)

مگر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ "مثلہ معہ" ایسی حدیثوں کو قرآن کے اس دعوے سے انکار ہے کہ قرآن دین کی تمام باتوں کو بیان کر دینے کے لئے اتارا گیا ہے اور یہ کہ دین کی باتوں میں قرآن نے کوئی کمی نہیں چھوڑی ہے اگر وہ احکام جن کے متعلق قرآن خاموش ہے اور حدیث انکو بیان کر رہی ہے یہ اگر دینی احکام ہیں تو ضرور قرآن میں ان احکام کی کمی رہ گئی اور اس کا مطلب ہوگا کہ تمام دینی باتوں کو قرآن نے بیان نہیں کیا اس لئے ایسی حدیثیں قرآن کے خلاف ہی سمجھی جائیں گی۔ کیونکہ یہ حدیثیں در اصل قرآن کو ناقص ثابت کرنے کے لئے اور اس کے دعویٰ جامعیت کو غلط قرار دینے کے لئے منافقین و ملحدین نے گھڑی ہیں ایسی ناپاک باتیں نعوذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں تو کیا ہونگی کسی سچے ایماندار مومن کا بھی قول نہیں ہو سکتیں ۔ محدثین اپنی روایت پرستی کے تحت ان حدیثوں کے معنوی فساد اور اندرونی فتنوں کو نہ سمجھ سکے اور ان کو اپنے مزعومات کے لئے بزعم خود سند اور حجت سمجھتے ہوئے ان کو اپنی کتابوں میں درج کرنے لگے۔

منافقین کے مراکز

منافقین نے جھوٹی اور مفسدانہ حدیثیں گھڑنے کے اور اسلام کے خلاف مسلسل جدو جہد جاری رکھنے کے لئے جو مراکز بنا رکھے تھے ان میں سب سے پہلا مرکز تو خراسان تھا۔ پھر دوسرا مرکز کوفہ اور تیسرا مرکز شام بنا ایران میں نیشا پور بھی ایک وقت میں اچھا خاصہ مرکز ان منافقین کا رہا ہے مگر آخر میں مستقل اور سب سے بڑا مرکز کوفہ ہوگیا خراسان میں مرو، موصل اور شام کے درمیان نصیبین کا علاقہ، اور شام

کے شہروں میں حمص اس میں بہت پیش پیش رہا اور پھر دمشق، قیساریہ فلسطین اور مصیصہ وغیرہ ان منافقین کی خاص خاص اشاعت گاہیں تھیں قدیم ٹکسال تو خراسان اور اس کے مشہور قصبے مثلاً مرو وغیرہ تھے اور نیشاپور، بخارا اور پھر کوفہ۔ بعد کو ٹکسال بنتے گئے مگر کوفہ چونکہ اس طبقے کے اکابر کا آخر میں مرجع بن گیا اس لئے سب سے بڑی ٹکسال کوفہ ہی بن کر رہا۔ مگر شام کے علاقہ میں حمص، مصیصہ دمشق وغیرہ میں بھی ٹکسال کا انتظام ضرور تھا۔ ٹکسالوں میں جھوٹی جھوٹی حدیثیں باہمی صلاح و مشورہ سے گھڑی جاتی تھیں اور ان اشاعت گاہوں سے ان کی اشاعت کا سلسلہ جاری کیا جاتا تھا۔ یہ ایک زبردست سازش کے ماتحت سلسلہ جدو جہد تھا جس میں ہزاروں آدمی کام کر رہے تھے۔ خاص منافقین تو تابعین کے زمرے میں داخل ہوکر عامۃ المسلمین میں اپنا کافی رسوخ پیدا کر چکے تھے جن کی تعداد کئی سو سے کم نہ ہوگی۔ مگر ان کے تلامذہ و ذریات جو تبع تابعین سمجھے جاتے تھے وہ شام و عراق و مصر میں بہت کافی پھیلے ہوئے تھے جن میں منافقین کی تعداد تو کم تھی مگر وہ منافقین کے تربیت یافتہ تھے اس لئے منافقین عجم کے برابر آلہ کار بنے رہے اور ان کی گھڑی ہوئی حدیثوں کو صحیح سمجھ کر ان کی اشاعت ایک دینی خدمت سمجھکر تا زندگی کرتے رہے۔

مثلہ معہ کی روایت کا جائزہ

ابو بکر خطیب بغدادی (ولادت ۳۹۲ھ متوفی ۴۶۳ھ) نے اپنی کتاب کفایہ کے ۸ سے ۱۲ تک اس حدیث کے جتنے طرق ان کو ملے ان سب کو جمع کر دیا ہے اور ایک باب ہی اس کا اس عنوان سے باندھا ہے: باب

ماجاء فی التسویة بین حکم کتاب الله تعالیٰ و حکم سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم فی وجوب العمل و للزم التکلیف

یعنی یہ باب ہے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ دونوں کے حکم کی حیثیت سے برابر ہونے میں اور وجوب عمل اور تکلیف شرعی کے عائد لازم ہونے میں یکساں ہونے میں۔ جہاں تک نفس عنوان کا تعلق ہے وہ تو بالکل صحیح ہے اسلئے کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ کتاب اللہ کے احکام کی تعمیل جس طرح خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی، اور رسولؐ کی تعلیم کے مطابق صحابہؓ نے کی، اسی کو قرآن میں دوسری جگہ اسوۂ حسنہ فرمایا گیا ہے - یہ چیز امت کو ہزاروں صحابہؓ کرام کے تعامل کے ذریعے حاصل ہوئی جسے پہلے والے بعد والوں کو اسی تعامل و توارث اور تواتر کے ذریعے پہونچاتے رہے - اسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ما انا علیه و اصحابی سے تعبیر فرمایا- یعنی میرا وہ طریقہ جس پر صحابہؓ کرام عمل پیرا ہے کیونکہ بعض احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص تھے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں کسی کام کو صحابہؓ کرام نے اختیار کیا تو وہ کام ہم سے بھی مطلوب ہے اس لئے سنت رسولؐ حاصل کرنے کا مستند ذریعہ سنت صحابہ ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے راہ صحابہؓ کو سبیل المومنین (۴-۱۱۵) فرمایا (اس پر میری ایک مستقل کتاب بھی شائع ہو چکی ہے) - اگر تعامل صحابہؓ سے ہٹ کر صرف احادیث کا مطالعہ کیا جائے تو سوائے ذہنی انتشار کے کچھ حاصل نہ ہوگا- تمام باطل فرقوں کا طریقہ یہی رہا ہے کہ وہ سنت صحابہؓ سے قطع نظر کرکے اپنے حق میں مختلف روایات پیش کرکے ان پر اپنی عمارت کی بنیاد قائم کرلیتے ہیں-

صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہم دیکھیں کہ کسی کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابی خلفاء کے زمانہ میں عام طور پر سب لوگ کرتے تھے یا نہیں قرآن کریم کی تعمیل جس طرح عہد نبوی اور عہد صحابہؓ میں ہوئی ہمیں بھی اسی کی اتباع کرنی چاہیئے کیونکہ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے من یطع الرسول فقد اطاع اللہ - جس نے اسوۂ رسولؐ کی تعمیل کی اس نے درحقیقت اللہ کی اطاعت کی (۴-۸۰) اور فرمایا و من یتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ماتولی و نصلہ جھنم (۴-۱۱۵) جس نے تعامل صحابہؓ کے علاوہ کسی اور راہ کو اختیار کیا وہ جہنمی ہے - اس سے واضح ہے کہ جس طرح اللہ کی اطاعت محمد رسولؐ کی اطاعت ہی سے ممکن ہے اسی طرح رسولؐ کی اطاعت صحابہؓ کرام ہی کے ذریعے ممکن ہے - مگر ان محدثین کے ہاں تو مراد ہی کچھ اور ہے - ہر حدیث مروی کو سنت قرار دیکر تمام حدیثوں کو وجوب عمل میں قرآن کا ہم پلہ بنانا ان کا مقصود ہے جیسا کہ اس قسم کی حدیثوں سے ظاہر ہے - اس لئے اس باب میں جو حدیثیں جمع کی گئی ہیں ان کو دیکھئے اور عبرت حاصل کیجئے -

طُرق روایات

یہ حدیث مختلف الفاظ و عبارت میں طول و مختصر متعدد طرق سے پانچ صحابیوںؓ سے اور تابعی سے مرسلاً مگر مرفوعاً مروی ہے -

(۱) حضرت مقدام بن معدی کرب الکندی الشامی سے جو شام ہی میں رہے اور شام ہی میں ۸۷ھ میں ۹۱ برس کی عمر پاکر فوت ہوئے - ان سے دس طرق سے مروی ہے -

(۲) حضرت ابو رافع موالی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کوفہ میں رہے

اور بقول صحیح حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں فوت ہوئے ان سے چھ طرق سے مروی ہے۔

(۳) حضرت عرباض بن ساریہ جو اصحاب صفہ میں سے تھے اور شام میں آکر رہ گئے تھے اور شام ہی میں ۷۵ھ میں وفات پائی۔ ان سے صرف ایک ہی طریق سے مروی ہے۔

(۴) حضرت جابر بن عبداللہ الخزرجی السلمی الانصاری، جن کے سال وفات کے متعلق بہت اختلاف ہے۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۷۔ ۷۸ اور ۹۴ھ یہ سب لوگوں نے لکھا ہے۔ ابن عبدالبر نے استیعاب میں ۷۴ھ یا ۷۸ھ لکھا ہے۔ مدینہ میں وفات پائی۔ ان سے دو طریق مروی ہیں۔

(۵) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی دو طریق مروی ہیں. ایک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول کہکر اور دوسرا حضرت فاروق اعظمؓ کی طرف منسوب ہے۔

(۶) چھٹا قول علقمہ بن قیس الکوفی کا ہے جس کو مرفوعاً یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے انھوں نے روایت کیا ہے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں مگر جس سال آپؐ کی وفات ہوئی ہے اسی سال ان کی پیدائش ہے اسلئے بلاواسطہ ان کی روایت مرسل ہے متصل نہیں۔ ان کی وفات اور عمر میں بہت سے اقوال ہیں ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۵۔ ۷۲۔ ۷۳ سب لوگ لکھ گئے ہیں اور نوے برس کی عمر بتائی ہے جو کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی۔ جب ۱۰ یا ۱۱ھ میں ان کی ولادت ہے اور زیادہ سے زیادہ ۷۳ھ میں ان کی وفات ہے تو ان کی عمر ۶۳ برس کی ٹھہرتی ہے۔ بہر حال ان سے صرف ایک طریق مروی ہے۔

ان بائیس طرق میں سے گیارہ طرق تو خطیب بغدادی کی کتاب کفایہ میں ہیں اور دو طرق سنن ابو داؤد میں، اور دو ترمذی میں اور دو ابن ماجہ میں۔ اور دو سنن دار قطنی میں اور تین مسند امام احمد میں ۔ بہت مناسبت کے ساتھ ان کتابوں میں یہ حدیثیں داخل کی گئیں۔

قابل غور نکتہ

یہ حدیثیں اکابر صحابہؓ مہاجرین و انصار سے مروی نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرات خلفائے راشدین اور اجلہ صحابہؓ اس حدیث سے بالکل بے خبر تھے ۔ جو صحابہؓ شام ہی میں رہے اور وہیں وفات پائی، یا کوفہ میں رہے یا اصاغر صحابہؓ سے یہ حدیثیں روایت کی گئی ہیں ۔ حضرت جابر بن عبداللہ اس قدر کم عمر تھے کہ جنگ بدر و جنگ احد میں شرکت سے ان کو ان کے والد نے روک دیا تھا اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ تو وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت زیادہ سے زیادہ ۱۳ برس کے تھے۔

دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ امام مالکؒ کی موطا اور صحیح بخاری و صحیح مسلم یہ تین کتابیں جو علمائے حدیث کے نزدیک سب سے زیادہ معتبر ہیں ان روایتوں سے بالکل خالی ہیں۔ خطیب بغدادی کو نیشاپور میں یہ حدیثیں ملیں۔ مگر امام مسلم جو خود نیشاپوری تھے ان حدیثوں سے بالکل بے خبر رہے۔

آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ جس طرح اکابر صحابہؓ ان حدیثوں سے بالکل بے خبر رہے اسی طرح اکابر محدثین بھی ان حدیثوں سے بے خبر

رہے مسند احمد کے متعلق تو میرا ایک مضمون التاریخ المستند لمسند الامام احمد اس بحث کے بعد آرہا ہے یہ ساٹھ ہزار حدیثوں کا مجموعہ دراصل امام احمد بن حنبلؒ کے بہت بعد ایک جماعت و ضاعین و کذابین نے مل کر مرتب کیا تھا اس کو امام احمد بن حنبل یا ان کے صاحبزادے عبداللہ سے کوئی سروکار نہیں ۔ اس لئے مسند احمد میں ان حدیثوں کے ہونے سے دھوکا نہیں کھانا چاہیئے وہ تو موضوعات و مکذوبات کا خزانہ ہی ہے اگر اس میں یہ حدیثیں نہ ہوتیں تو تعجب ہوتا۔ بلکہ اس پر تعجب ہے کہ عرباض بن ساریہ والی روایت مسند احمد میں نہیں ہے۔ جابر بن عبداللہ والی حدیث ہے اور نہ ابن عباسؓ والی۔ حالانکہ بعض اکابر محدثین کا قول ہے کہ جو حدیث مسند احمد میں نہ ہو سمجھ لوکہ وہ مشتبہ ہے اس لئےکہ تمام کے ذخائر اس میں مجتمع ہیں۔

مشکوٰۃ میں بھی عرباض بن ساریہ کی حدیث نقل کی ہے اور ابو داؤد کا حوالہ دیا ہے ۔ مگر تعجب ہے کہ ابو داؤد کے متداول نسخوں میں یہ حدیث باوجود کافی جستجو کے نہیں ملی مگر خود صاحب مشکوٰۃ لکھتے ہیں کہ ابو داؤد کے سلسلہ روایت میں اشعث بن شعبہ المصیصی کا نام بھی آتا ہے ، اور ان کے متعلق ائمہ رجال کو کلام ہے ۔ یہ اشعث صاحب خراسانی ہیں۔ شام کے مشہور قصبہ مصیصہ[۱] میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ حافظ ازدی نے ان کو ضعیف الحدیث لکھا ہے ۔ اسی کی طرف صاحب مشکوٰۃ نے

۱۔ مصیصہ " لب اللباب میں بکسر میم و تشدید صاد اول لکھا ہے مگر قاموس میں مصیصہ کو بفتح اول اور بغیر تشدید کے " سفینہ " کے وزن پر لکھا ہے اور تصریح کردی ہے کہ ولا تشدد ۔ ابو العلاء المعری کا یہ مصرعہ بھی صاحب قاموس کی تائید کر رہا ہے ۔ لولا المصیصی کان المجد فی مضر مگر ابن السمعانی کتاب الانساب میں صاحب لب اللباب ہی کی تقلید کر رہے ہیں اور بالکسر بتشدید صاد اول لکھتے ہیں ۔ (تمنا)

اشارہ کیا ہے۔

متن حدیث

ان بائیس طرق کی ہر حدیث کو معہ اسناد لکھنا اور ان کا ترجمہ پیش کرنا بہت طوالت طلب ہے ۔ اس لئے چونکہ ان تمام طرق میں سب سے زیادہ روایتیں حضرت مقدام بن معدی کرب سے مروی ہیں اس لئے انھیں سے جو سب سے بڑی اور مکمل حدیث روایت کی گئی ہے میں اسی کو نقل کرکے اس کا ترجمہ کر دیتا ہوں ۔ باقی حدیثوں کو اسی پر قیاس کر لیجئے ۔ اختلاف الفاظ و اضطراب مضامین کو کہاں تک دکھاؤں گا۔ نفس مضمون حدیث کے اختلاف و اضطراب سے قطع نظر کرکے صرف ان کے راویوں کو دیکھئے ۔ اسی قدر ایک دیانتدار انصاف پسند کے سمجھنے کے لئے کافی ہے ۔ تو حضرت مقدام سے یوں روایت کی گئی ہے۔

(قال ابو بکر الخطیب فی الکفایہ) اخبرنا ابو محمد الحسن بن علی بن احمد بن بشار النیسا بوری بالبصرہ قال ثنا ابو بکر محمد بن احمد بن محمویہ العسکری قال ثنا سلیمان بن عبدالحمید البھرانی قال ثنا علی بن عیاش و ابو الیمان قالا حد ثنا حریز بن عثمان قال حد ثنی عبدالرحمن بن ابی عوف الجرشی عن المقدام بن معدیکرب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ان قال الا انی او تیہ الکتاب و مثلہ معہ ، الا انی قد او تیت القران و مثلہ - الا یوشک رجل شبعان علی اریکہ یقول علیکم بھذا القران فما وجد تم فیہ من حلال فاحلوہ - وما وجد تم فیہ من حرام فحرموہ - الا لا یحل لکم الحمار الا هلی ولا کل ذی ناب من السباع و لا لقطۃ من مال معاهد الا ان یستغنی عنھا صاحبھا-

یعنی ابو بکر خطیب بغدادی نے اپنی کتاب کفایہ میں لکھا ہے کہ ہمیں خبر دی ابو محمد الحسن بن علی بن احمد بن بشار النیساپوری نے بصرہ میں ان سے حدیث بیان کی ابو بکر محمد بن احمد بن محمویہ العسکری نے ان سے بیان کی سلیمان بن عبدالحمید البہرانی نے - ان سے علی بن عیاش اور ابوالیمان (حکم بن نافع) نے - ان دونوں نے کہاکہ ہم سے حدیث بیان کی حریز بن عثمان نے - انھوں نے کہاکہ ہم سے حدیث بیان کی عبدالرحمان بن ابی عوف الجرشی نے انھوں نے حضرت مقدام بن معدی کرب سے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آنحضرت صلعم نے فرمایاکہ یاد رکھو کہ میں کتاب دیا گیا ہوں اور اس کے مانند (اور بھی) اسی کے ساتھ - یاد رکھو کہ میں قرآن دیا گیا ہوں اور اس کے مانند - یاد رکھو کہ عنقریب ایک شخص جس کا پیٹ بھرا ہوگا اپنے تخت پر بیٹھا ہوا کہے گا کہ لازم پکڑ لو اسی قرآن کو - تم جو کچھ اس قرآن میں حلال پاؤ اس کو حلال سمجھو اور جو کچھ اس میں حرام پاؤ اس کو حرام سمجھو[۱] - یاد رکھو

۱- غالباً یہ اشارہ اس حدیث کے گھڑنے والے رافضی نے صدیق اکبرؓ کی طرف کیا ہے - کیوں کہ محدثین نے انھیں کا یہ ارشاد نقل کیا ہے جب کہ امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں بیان کیا ہے اور مولانا مناظر احسن گیلانی نے بھی اپنی کتاب تدوین حدیث میں اسے درج کیا ہے کہ صدیق اکبرؓ نے رسول اللہ کی وفات کے بعد لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ تم لوگ رسول اللہ سے ایسی حدیثیں روایت کرتے ہو جن میں باہم اختلاف کرتے ہو اور تمہارے بعد کے لوگ اختلاف میں زیادہ سخت ہوجائیں گے - پس چاہیئے کہ رسول اللہ کی طرف منسوب کرکے کوئی بات نہ بیان کیا کرو - پھر اگر تم سے کوئی کچھ پوچھے تو کہہ دیا کرو کہ بیننا و بینکم کتاب الله فاستحلوا حلاله و حرموا حرامه ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب موجود ہے - اسکے حلال کو حلال سمجھا اور اسکے حرام کئے ہوئے کو حرام قرار دو - (تدوین حدیث مطبوعہ مجلس علمی کراچی ص ۳۲۱) علامہ تمنا کے اسی مضمون کے آخر میں خود بخاری کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا اسی قسم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے جس سے صدیق اکبرؓ کی تائید اور اس رافضانہ روایت کی تردید ہوتی ہے جس میں قرآنی چیلنج فلیاتوا بحدیث مثلہ (۳۴-۵۲) کا مقابلہ کرکے مثلہ معہ کو مسلمانوں سے منوانے کی کوشش کی گئی ہے - (طاہر)

تمہارے لئے اہلی حمار (پالتو گدھے) کا گوشت حلال نہیں اور نہ کسی نوکیلے دانت والے درندے کا گوشت ۔ اور نہ پڑا ہوا مال کسی ایسے کافر کا جس سے صلح کا معاہدہ ہوچکا ہو مگر یہ کہ وہ اپنے اس مال سے بے پرواہ ہوچکا ہو۔ لہ

یہی روایت ہے جو تھوڑے اول بدل اور کمی بیشی کے ساتھ بائیس طرق سے پانچ صحابہ اور ایک تابعی سے مروی ہے ۔ بعض روایت میں کچھ غیر معمولی اور اہم فرق ہے اس کو اس روایت کی تنقید کے وقت ظاہر کر دیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

بائیس طرق کے سلسلہ اسناد

حضرت مقدام بن معدی کرب کی طرف منسوب جو دس طریقوں سے

لہ پالتو گدھے کا گوشت خود محدثین کے نزدیک مختلف فیہ ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس کو حرام نہیں سمجھتے تھے جیسا کہ آخر کتاب میں آپ پڑھیں گے باقی رہا ان دونوں کا گوشت تو وہ قرآن ہی سے حرام ہے۔ احلت لکم بھیمۃ الانعام سے ظاہر ہے کہ غیر بہیمۃ الانعام یعنی درندے حرام ہیں۔ پڑا ہوا مال کسی کا بھی ہو جب اس کا مالک معلوم ہو یا جب تک اس کا گمان ہے کہ اس کا مالک آجائے گا اس وقت تک عقلاً حرام ہے اور قرآن سے بھی معاہد کفار یا ذمیوں کا معاملہ وہی ہے جو عام مسلمان کا ہے۔ معاہدے جس انداز کے ہوں ان کی پابندی قرآن کی رو سے فرض ہے غیر معاہد بھی جو غیر حربی ہیں ان کے مال پر بھی بے جا تصرف جائز نہیں البتہ جو حربی ہیں جن سے جنگ جاری ہے یا جو جنگ پر تلے ہوئے ہیں ان کو ضرور ہر ممکن نقصان پہنچانا عقلاً جائز ہے ۔ قرآن بھی اس کی اجازت دیتا ہے (تمنا)

یہ حدیث منسوب کی گئی ہے اس کے سلسلہ اسناد کو ملاحظہ فرمایئے۔

یہ روایتیں جو مقدام بن معد یکرب کی طرف منسوب ہیں ان کو حضرت مقدام سے صرف دو شامی روایت کرتے ہیں ایک تو حسن ابن جابر اللخمی الشامی دوسرے عبدالرحمان بن ابی عوف الجرشی الشامی الحمصی۔ اول الذکر صاحب سے اس حدیث کے سوا اور کوئی حدیث مروی نہیں ہے۔ یہ صرف اسی حدیث کو روایت کرنے کے لئے زمرہ رواۃ میں داخل ہوگئے یا داخل کر دیئے گے۔ دوسرے صاحب شامی تو تھے ہی، شام کے مشہور شہر حمص کے قاضی بھی تھے اسی لئے بعضوں نے شامی تابعی ثقہ لکھدیا ہے مگر یحییٰ بن سعید القطان نے صاف کہہ دیا کہ یہ مجہول الحال ہیں یعنی ان کا ثقہ یا غیر ثقہ ہونا معلوم نہ ہوسکا۔ صرف تابعی ہونے سے ثقہ کہدینا صحیح نہیں۔

پھر اول الذکر یعنی لخمی صاحب سے معاویہ بن صالح الحمصی الشامی ہی صرف اس کی روایت کرتے ہیں۔ معاویہ بن صالح کے متعلق تہذیب التہذیب میں ہے کہ یحییٰ بن سعید ان کو بالکل پسند نہیں کرتے تھے، اور ابن معین ان کو ناپسندیدہ شخص قرار دیتے تھے اور جب عبدالرحمان بن مہدی ان کی حدیث روایت کرتے تھے تو یحییٰ بن سعید ابن مہدی کو ڈانٹتے تھے۔ اور ابو اسحٰق الفرازی نے کہا کہ "یہ شخص اس قابل نہیں ہے کہ اس کی کوئی حدیث روایت کی جائے۔" اور ابو حاتم نے کہا کہ "ان کی حدیثیں سند و حجت نہیں ہیں۔"

زید بن حباب الخراسانی الکوفی اس حدیث کو بواسطہ معاویہ بن صالح ہی روایت کرتے ہیں مگر ایک طریق میں بلاواسطہ یہ حسن بن جابر اللخمی الحمصی سے روایت کرتے ہیں جو ناممکن ہے اس لئے کہ حسن بن جابر

الرّحبی کی وفات ۱۳۶ھ میں ہے اور زید بن حباب کی وفات ۲۰۳ھ میں ۲۷ برس کی عمر میں ہے یعنی زید بن حباب حسن بن جابر الرّحبی کی وفات کے چار سال بعد پیدا ہوئے تھے اس لئے یقیناً اس سلسلہ روایت میں جو مسند امام احمد میں مذکور ہے راوی کو دونوں کا سال وفات معلوم نہ تھا اس لئے دروغ بے فروغ کا مرتکب ہوگیا اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ غلطی سے معاویہ بن صالح کا نام زید بن حباب کے نام کے بعد چھوٹ گیا ہے اس لئے کہ پہلے زید بن حباب کی روایت بواسطہ معاویہ بن صالح، حسن بن جابر الرّحبی سے لکھکر پھر تحویل کی نوعیت قائم کرکے زید بن حباب کی روایت بلاواسطہ حسن بن جابر سے بیان کی ہے اگر یہاں بھی معاویہ بن صالح کا نام موجود ہی ہے اور کاتب سے چھوٹ گیا ہے تو یہ اصل روایت کا اعادہ فضول ہوا۔ تحویل نہ ہوئی۔ اس لئے ضرور یہ تحویلی نوعیت معاویہ بن

۱۔ اصل روایت یوں ہے حدثنا عبد اللہ قال حدثنی ابی ثنا عبد الرحمن و زید بن حباب قالا ثنا معاویہ بن صالح عن الحسن بن جابر- قال زید فی حدیثہ الحسن بن جابر قال سمعت المقدام بن معدی کرب یقول- یعنی امام سے عبدالرحمن بن مہدی اور زید بن حباب دونوں نے معاویہ بن صالح سے اور انھوں نے حسن بن جابر سے روایت کی مگر تنہا زید بن حباب نے بلاواسطہ بذات خود حسن بن جابر سے بھی روایت کی۔ اس روایت کو بھی سن لیجئے قال سمعت المقدام بن معدی کرب یقول حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم خیبر اشیاء ثم قال یوشک احدکم ان یکذبنی وھو متکی علی اریکتہ یحدث بحدیثی فیقول بیننا و بینکم کتاب اللہ فما وجدنا فیہ من حلال استحللناہ و ما وجدنا فیہ من حرام حرمناہ - الا و ان ماحرم رسول اللہ مثل حرم اللہ - یعنی حسن بن جابر نے کہا کہ میں نے مقدام بن معدی کرب کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن چند چیزیں حرام کیں — پھر آنحضرت نے فرمایا کہ عنقریب تم میں کا کوئی مجھکو جھٹلائے گا اور وہ تکیہ لگائے اپنے تخت پر ہوگا میری حدیث بیان کی جائیگی تو وہ کہے گا ہمارے تمہارے درمیان کتاب اللہ ہے تو ہم لوگ کتاب اللہ میں جس کو حلال پائیں گے اس کو حلال سمجھیں اور جس کو اس

صالح کی بغایت مجروحیت کو دیکھتے ہوئے قائم کی گئی تاکہ یہ کہنے کا موقع ملے کہ زید بن حباب، معاویہ بن صالح کی وساطت ہی سے یہ روایت نہیں کر رہے ہیں کہ معاویہ بن صالح کی مجروحیت کا اثر اس روایت پر پڑے، بلکہ بلاواسطہ معاویہ بن صالح بذات خود بھی حسن بن جابر سے اس حدیث کی روایت کر رہے ہیں اس لئے معاویہ بن صالح کی مجروحیت اس حدیث پر اثر انداز نہیں ہو سکتی مگر دروغ گورا حافظہ نباشد۔ زید بن حباب کی عمر اور حسن بن جابر کا سال وفات راوی صاحب کو یاد نہ رہا اور اس کا خیال نہ رہا کہ زید بن حباب کی تو ولادت ہی حسن بن جابر کی وفات کے تین چار برس بعد ہے اس لئے زید بن حباب کی روایت بلاواسطہ کسی کے حسن بن جابر سے کس طرح ممکن ہے؟

تو حسن بن جابر اللخمی الشامی سے جتنی روایتیں بھی حضرت مقدام بن معدی کرب کی طرف منسوب ہیں وہ سب کی سب بلا استثنا معاویہ بن صالح الشامی الحمصی ہی سے مروی ہیں اور انھیں کی من گھڑت ہیں۔ اور ان کا حال ہم اوپر لکھ چکے۔

اب عبدالرحمان بن ابی عوف الجرشی الحمصی جو حضرت مقدام بن

میں حرام پائیں اس کو حرام قرار دیں۔ یاد رہے اللہ کے رسول نے جس کو حرام کیا وہ اس کے مانند ہے جس کو اللہ نے حرام کیا ہے" تقریباً بالکل انہی الفاظ میں یہی حدیث ابوبکر خطیب نے عبیداللہ بن ابی الفتح الفارسی سے، انھوں نے ابو حفص عمر بن محمد بن علی بن زیب سے رح اور پھر ابوبکر خطیب نے ابوالحسن علی بن محمد بن محمد المقری اور ابوالحسن محمد بن عمر بن روح النہروانی سے اور ان دونوں نے ابو حفص عمر بن محمد بن علی بن زیات مذکور سے اور ابن زیات مذکور نے عبداللہ بن محمد بن ناجیہ سے انھوں نے محمد بن علی ابو حفص الصیرفی سے انھوں نے عبدالرحمن بن مہدی سے تا اور پھر ابوبکر خطیب نے علی بن محمد بن عبداللہ سے انھوں نے دعلج بن احمد سے انھوں نے ابن شیرویہ سے انھوں نے اسحٰق بن راہویہ سے اور وہ عبدالرحمن بن مہدی مذکور سے اور

معدی کرب سے روایت کرتے ہیں۔ اس سلسلہ روایت کو بھی سن لیجئے تو صرف ایک سلسلہ روایت جو دار قطنی میں ہے اس میں عبدالرحمان بن ابی عوف الجرشی الحمصی سے مروان بن رویہ الحمصی ان سے محمد بن الولید الزبیدی الحمصی۔ ان سے بقیہ ابن الولید الحمصی، ان سے ابو عتبہ احمد بن الفرج الحمصی، ان سے محمد بن سلیمان النعمانی، ان سے دار قطنی روایت کرتے ہیں۔ دار قطنی کے شیخ محمد بن سلیمان النعمانی تو بالکل مجہول الحال ہیں جن کا ذکر کتب رجال میں نہیں ملتا۔ مگر ان سے اوپر مقدام بن معدی کرب کے بعد سے ہر راوی شامی حمصی ہے ۔ بقیہ بن الولید الحمصی کے متعلق تہذیب التہذیب میں ابن حجر لکھتے ہیں کہ ہر آنے والے جانے والے سے یہ حدیث لکھ لیا کرتے تھے۔ ابن عیینہ لوگوں کو منع

عبدالرحمن بن مہدی مذکور معاویہ بن صالح سے اور وہ حسن بن جابر سے اور وہ مقدام بن معدی ° کرب سے۔ کفایہ میں لکھتے ہیں فرق صرف اس قدر ہے کہ اس روایت میں یوشک احدکم ان یکذبنی کا لفظ نہیں ہے صرف یوشک رجل متکی علی اریکتہ یحدث بحدیثی الخ ہے۔ اور آخر میں مثل ماحرم اللہ کے بعد عزوجل کا لفظ بڑھا ہوا ہے اور اس کے اسناد میں زید بن حباب کا نام نہیں ہے۔ بہر حال یہ تمام طرق اور ساری تحویلات معاویہ بن صالح الشامی الحمصی کی شکم زاد ہیں۔ ان کے بعد والوں کی کثرت طرق و تحویلات اس روایت کو مطلق قوت نہیں پہنچا سکتے۔ جب کہ اس کی جڑ ہی کھوکھلی ہے اس لئے کہ جو شخص بھی اس کو روایت کرتا ہے وہ معاویہ بن صالح ہی سے روایت کرتا ہے اور ان کا حال متن میں ہم لکھ چکے ہیں کہ یہ اس قابل نہیں ہیں کہ ان کی کوئی حدیث روایت کی جائے۔ ° خصوصاً جو حدیث درایت قرآنیہ کے بالکل خلاف ہو۔ بلکہ قرآن کی تکذیب کر رہی ہو۔ ان تمام حدیثوں کے الفاظ ان کا عنوان بیان اور ان کی رکاکت مضمون پکار پکار کر اپنی موضوعیت و مکذوبیت کی شہادت دے رہی ہے۔ جس کو تھوڑی سی بھی بصیرت فی الحدیث ہو وہ اسکو پہلی نظر میں سمجھ سکتا ہے۔ مگر اللہ برا کرے جذبۂ روایت پرستی کا کہ کیسے کیسے ماہرین و ناقدین حدیث اپنی غرض کے ماتحت ایسی لغو اور لچر موضوعات کو حدیث نبوی قرار دے کر اس سے استناد کرنے لگے۔ سچ ہے حبک الشئی یعمی ویصم ۔۔۔ کوئی غرض کے پیچھے باؤلا ہو جاتا ہے۔ حق و باطل کچھ نہیں سمجھتا۔ (تمنا)

کرتے تھے کہ بقیہ سے سنن کی حدیثیں نہ لکھا کرو۔ یہ متروکین اور ضعفاء سے روایت کیا کرتے ہیں اور ان کے ناموں اور کنیتوں میں ہیر پھیر کیا کرتے ہیں۔ ابو حاتم نے کہا کہ ان کی حدیث لکھ لی جائے مگر وہ سند وحجت نہیں ہے۔ ابو مسہر غسانی نے کہا کہ **بقیه لیست احادیثه نقیة فکن منها علیٰ تقیة** یعنی بقیہ کی حدیثیں (خلشوں سے) پاک نہیں ہیں اس لئے ان کی حدیثوں سے بچتے ہی رہنا چاہیئے۔ امام احمد نے کہا کہ بقیہ نے عبیداللہ بن عمر سے بہت سی منکر حدیثیں روایت کی ہیں۔ ابن خزیمہ نے کہا کہ بقیہ کی حدیثوں کو میں حجت نہیں سمجھتا۔ امام احمد نے یہ بھی فرمایا کہ میں سمجھتا تھا کہ بقیہ صرف غیر معروف ہی لوگوں سے منکر حدیثیں روایت کرتے ہیں مگر یہ تو مشہور لوگوں سے بھی منکر حدیثیں روایت کرتے ہیں پائے جاتے ہیں۔ تو ہم نے غور کیا کہ آخر کہاں سے یہ حدیثیں لائے۔ تو پتا ملا کہ تدلیس کے ذریعے۔ (یعنی مجہول راویوں کا نام اڑا کر ان کی جگہ مشہور راویوں کا نام رکھدیا کرتے تھے) اور بھی بہت کچھ بقیہ کے متعلق لکھا ہے۔ بقیہ ۱۱۵ ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۷ ھ میں وفات پائی۔ مگر اب بقیہ کے شاگرد صاحب کا حال سنئے اس حدیث کو بقیہ سے احمد بن الفرج ابو عتبہ الحمصی روایت کر رہے ہیں۔ یہ جامع حمص میں موذن تھے۔ محمد بن عوف نے ان کو جھوٹا کہا اور ان کی بری حالت بتائی۔ ابو ہاشم عبدالغفار بن سلامہ نے بھی بیان کیا کہ ہم نے اپنے اکثر شیوخ سے ان کے جھوٹے ہونے کے متعلق سنا۔ یہ بھی صاف لکھدیا کہ بقیہ کی جو حدیث بھی یہ روایت کرتے ہیں اس کی کوئی اصل نہیں ہوتی۔ ان کی حدیثوں کے متعلق یہ اکذب الخلق ہیں۔ اتنی تصریح کے بعد دار قطنی کی اس روایت کے متعلق کچھ کہنے کی اب ضرورت باقی نہیں

معلوم ہوتی۔

اب ایک آخری سلسلہ حضرت مقدام بن معدی کرب کی طرف منسوب حدیث کا رہ گیا اور وہ صرف حریز بن عثمان الحمصی سے چلتا ہے یہ حریز صاحب ہنایت کٹر قسم کے خارجی مشہور ہیں۔ ان کا معمول تھا کہ صبح شام ستر ستر مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر لعنت کیا کرتے تھے اور مسجد میں جاتے تھے تو نماز کے بعد بغیر ستر مرتبہ لعنت کئے مسجد سے باہر ہنیں نکلتے تھے۔ شیعوں نے ایک جھوٹی حدیث بنا کر جو مشہور کی کہ انت منی بمنزلہ ھارون من موسیٰ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو فرمایا کہ تم میرے لئے ویسے ہی ہو جیسے ہارونؑ موسیٰؑ کے لئے تھے، تو اس کو سن کر حریز حمصی نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ہنیں فرمایا تھا بلکہ یوں فرمایا تھا کہ انت منی بمنزلہ قارون و من موسیٰ۔ تم میرے لئے ویسے ہی ہو جیسے موسیٰؑ کے لئے قارون تھا۔ معاذ اللہ من ذالک۔

مگر تعجب ہے کہ ان کے بعض شیوخ بھی شیعے تھے اور بعض تلامذہ بھی شیعے اور حدیثیں یہ شیعوں کے مسلک کے مطابق بہت روایت کیا کرتے ہیں جس سے شبہ یہ ہوتا ہے کہ شاید یہ بھی تقیہ کی ایک شکل ہو کہ اپنے کو خارجی مشہور کر کے شیعہ مذہب کے مطابق روایت کرتے رہو کہ یہ کہنے کا موقع ملے کہ یہ حدیث تو ایک سخت کٹر خارجی روایت کر رہا ہے۔ کوئی شیعہ اس کا راوی ہنیں ہے۔ بہر حال محدثین ان کی حدیثیں روایت کرتے ہیں اور ان کو ثقہ سمجھتے ہیں مگر آپ کو ان کا حال معلوم ہوگیا کہ یہ شامی ہیں حمصی ہیں اور شیعوں نے ایک جھوٹی حدیث بنائی تو انھوں نے اس کے جواب میں اس سے زیادہ ناپاک جھوٹی حدیث بنا کر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کی تہمت لگائی۔ کیا اس پر بھی یہ ثقہ ہی رہیں گے؟

تو اب ان حریز سے یزید بن ہارون الواسطی العراقی ان سے احمد بن حنبل، ان سے عبداللہ بن احمد روایت کرتے ہیں۔ یزید بن ہارون واسط کے رہنے والے بین العراقین یعنی کوفہ و بصرہ کے درمیان شہر واسط ان کا گھر تھا ان کے متعلق تہذیب التہذیب میں ہے کہ لا یمیز و لا یبالی عمن روی یہ کچھ تمیز نہیں کرتے تھے اور کچھ پرواہ نہیں کرتے تھے کہ کس سے روایت کر رہے ہیں۔ آنکھ سے معذور ہوگئے تھے تو اپنی لونڈی سے اپنی کتاب نکلوا کر لوگوں کو حدیث اس سے پڑھوا کر روایت کیا کرتے تھے جس سے حدیث لکھواتے تھے اس کا نام ہارون تھا وہ ان کی حدیثوں میں گھٹا بڑھا دیا کرتا تھا تو اس کو ڈانٹتے تھے اور کہتے تھے کہ تم جو کچھ کر سکتے ہو کرو مجھکو تیئس ہزار حدیثیں یاد ہیں مگر پھر بھی لونڈی سے پڑھوا پڑھوا کر حدیث روایت کرتے تھے۔ اور اسی کاتب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی حدیثیں۔

تہذیب التہذیب میں ضحاک بن عبدالوہاب کا قول حریز کے متعلق لکھا ہے ہو متروک متہم۔ ازدی، ابن عدی وغیرہ نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ ان سے روایت کرنا نہیں چاہیئے۔ لیکن مسند امام احمد کے متعلق تو ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ اس کو وضاعین وکذابین ہی نے مرتب و مدون کیا ہے اس لئے اگر عالی سے عالی اسناد کے ساتھ بھی مسند احمد میں کوئی حدیث درایت قرآنیہ کے خلاف ہو تو اس کو موضوع ہی سمجھنا چاہیئے۔ متن حدیث کے ساتھ ساتھ اس کے وہ اسناد بھی موضوع ہیں۔ غرض مسند احمد کی کوئی حدیث بھی حجت و سند نہیں ہو سکتی۔

دوسرا طریق سنن ابو داؤد والا ہے جس کو حریزی عثمان سے ابو عمرو بن کثیر بن دینار ان سے عبدالوہاب بن نجدہ ان سے ابو داؤد روایت کرتے ہیں ۔ مگر نہ فقط شارحین ابو داؤد بلکہ دنیائے محدثین کو حیرت ہے کہ یہ ابو عمرو بن کثیر کون شخص ہے تمام شارحین ابو داؤد نے تمام کتابیں اسماء الرجال کی چھان ماریں مگر اس نام کا کوئی آدمی ملتا ہی نہیں خلیل احمد دیو بندی رحمۃ اللہ اپنی کتاب البذل المجہود فی شرح سنن ابی داؤد میں اس حدیث کی شرح لکھتے ہوئے. لکھتے ہیں کہ ابو داؤد کے تمام قلمی و مطبوعہ نسخوں میں اسی طرح ہے مگر میں نے اسماء الرجال اور حدیث کی تمام کتابیں چھان ڈالیں کہیں بھی اس نام کے مسمیٰ کا پتہ نہ چلا ۔ یہی خیال شمس الحق صاحب عون المعبود شرح سنن ابی داؤد کا ہے ۔ بلکہ انھوں نے یہ بھی لکھدیا کہ منذری کے نسخہ ابو داؤد میں یہ حدیث ہی نہیں ہے ۔ غرض یہ ایک مفقود الخبر اسم بے مسمیٰ سے روایت ہے اس کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے اور اس حدیث کو جو اس اسم بے مسمیٰ سے روایت کر رہے ہیں۔ عبدالوہاب بن نجدہ یہ بھی حمصی ہی ہیں اس لئے ممکن ہے کہ اگر واقعی ابو عمر بن کثیر بن دینار کوئی شخص تھا تو حمصی ہی ہوگا جو ایسا گمنام ہے جس کا کہیں پتہ نہیں ملتا کیوں کہ عبدالرحمن بن ابی عوف الجرشی خود بھی حمصی تھے اور ان سے جتنے طرق سے بھی یہ حدیث روایت کی گئی ہے ان میں صرف حمصی ہی حمصی نظر آتے ہیں۔

اب ایک طریق اور باقی رہ گیا جس کو حریز بن عثمان الحمصی سے ابوالیمان حکم بن نافع الحمصی[1] اور علی بن عیاش الحمصی[2] دونوں روایت کرتے ہیں اور ان دونوں سے سلیمان[3] بن عبدالحمید البہرانی الحمصی روایت

۱۔ ابو الیمان مات علی ماقال البخاری ۲۲۲ھ ۔ ۲۔ علی بن عیاش ولادت ۱۴۳ھ وفات ۲۱۹ھ ۔

۳۔ سلیمان وفات ۲۷۴ھ بعمر ۵۹ سال (تمت)

کرتے ہیں - یہ سلیمان بن عبدالحمید البہرانی الحمصی ۵۹ برس کی عمر میں ۲۷۴ھ میں دنیا سے رخصت ہوئے اور ابو الیمان کی وفات ۲۲۲ھ میں ہے اس لئے ابو الیمان کی وفات کے وقت یہ بہرانی صاحب سات برس سے زیادہ کے نہ تھے اور علی بن عیاش کی وفات ۲۱۹ھ میں ہے اس لئے ان کی وفات کے وقت بہرانی صاحب صرف چار برس کے تھے۔ تو یہ بہرانی، ابو الیمان اور علی بن عیاش سے کس طرح روایت کر رہے ہیں۔ جب ہی تو ان بہرانی صاحب کے متعلق امام نسائی نے فرمایا ہے کہ کذاب لیس بثقه ولا مامون - کذافی تہذیب التہذیب ج ۴ - ۲۰۶ ترجمه سلیمان بن عبدالحمید-

تو حضرت مقدام بن معد یکربؓ کی طرف منسوب تمام طرق کا حال آپ کو آئینے کی طرح معلوم ہوگیا اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یہ تمام طرق شام کے مشہور شہر حمص ہی میں گھڑے گئے اور وہیں سے پھیلے۔

ابو رافع والی حدیث

دوسری حدیث وہ ہے جو حضرت ابو رافعؓ کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ حضرت ابو رافعؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے - یہ روایت ان سے ان کے صاحبزادے حضرت عبید اللہ بن ابی رافع اور ان سے سالم ابو النضر روایت کرتے ہیں۔ یہ سالم ابو النضر عمر بن عبداللہ التیمی کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ان کی وفات ۱۲۹ھ میں اکسٹھ سال کی عمر میں ہوئی۔ اور عبیداللہ بن ابی رافع کی وفات فتنہ عبداللہ بن الزبیر میں ۷۳ھ میں ہوئی۔ جس وقت سالم ابو النضر صرف چار برس کے تھے اسلئے سالم ابو النضر کا بلا واسطہ عبیداللہ بن ابی رافع سے روایت کرنا عقل کے خلاف ہے - ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں اسلم ابو النضر

گی روایت عوف بن مالک سے بھی مرسل ہی لکھی ہے اور عوف بن مالک کی بھی وفات ۷۳ھ ہی میں ہے۔ اس لئے حضرت ابو رافعؓ کی طرف منسوب حدیث کے بھی سارے طرق کو چونکہ سالم ابو النضر ہی عبید اللہ بن ابی رافع سے روایت کر رہے ہیں اور سالم ابو النضر کی روایت عبید اللہ بن ابی رافع سے بلاواسطہ صحیح نہیں ہو سکتی اس لئے یہ تمام طرق بھی حضرت مقدام بن معد یکرب کی طرف منسوب حدیث کے طرق کی طرح سرے سے موضوع اور محض افترا۔ اور عبید اللہ بن رافع پر بہتان ہے۔

ابو رافع والی حدیث کے راویوں میں بھی خراسانی، کوفی اور مجروحین ہی کی تعداد نظر آتی ہے۔ مگر اس شجرہ روایت کی جڑ ہی جب کٹی ہوئی ہے تو خواہ مخواہ باقی راویوں کے حالات پر بحث کرکے مضمون کو طول کیوں دیا جائے اس لئے اس حدیث ابو رافع کے متعلق اب کچھ اور لکھنے کی ضرورت نہیں محسوس کرتا ہوں۔ درخانہ اگر کس است حرفے بس است۔

عرباض بن ساریہ والی حدیث

حضرت عرباض بن ساریہ کی طرف جو حدیث منسوب کی گئی ہے اسکی راویت حضرت عرباض سے حکیم بن عمیر الحمصی کرتے ہیں اور ان سے ارطاۃ بن المنذر الحمصی، ان سے اشعث بن شعبہ الخراسانی المصیصی جن کے ضعیف الحدیث ہونے کی طرف صاحب مشکوۃ نے خود اس حدیث کو نقل کرکے اشارہ کیا ہے اور ازدی[1] وغیرہ نے جن کو ضعیف الحدیث کہا ہے ان سے محمد بن عیسیٰ بن الطباع روایت کرتے ہیں جو اذنہ ساحل

۱۔ محمد بن الحسین ابو الفتح بن بریدہ الازدی الموصلی المتوفی ۳۷۴ھ فن کی کتاب جرح و تعدیل میں مشہور ہے ان کا ترجمہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ ص ۱۳۹ ج ۳ میں اور حافظ ابن حجر نے لسان المیزان ص ۱۳۹ ج ۵ میں

شام کے رہنے والے تھے ان سے محمد بن احمد بن الولید بن بردالا نطاکی روایت کرتے ہیں ان سے مکرم بن احمد بن محمد بن مکرم القاضی۔ ان سے ابو علی الحسن بن ابی بکر بن شاذان اور ان سے ابو بکر خطیب بغدادی اپنی کتاب کفایہ میں لکھتے ہیں یہ ابو بکر بن شاذان در اصل فضل بن شاذان النیساپوری مشہور شیعہ محدث ہیں۔ ان کے بیٹے ابو علی الحسن بن نیشاپور کے رہنے والے اور کٹر رافضی تھے۔ یہ اور ان کے بھتیجے ابو سعید محمد بن موسیٰ بن فضل بن شاذان وضع احادیث میں بڑے ماہر تھے۔ خود شیعوں میں بھی ان دونوں چچا بھتیجے کا کوئی اعتماد و اعتبار نہ تھا۔ غیر معروف لوگوں سے باہر والوں کے سامنے روایت کیا کرتے تھے۔ چونکہ فضل بن شاذان باوجود شیعہ ہونے کے عام لوگوں میں ایک وقار و اعتماد رکھتے تھے اس لئے ان کے بیٹے اور پوتے ان کے اثر سے ناجائز فائدہ اٹھا کر باہر والوں کے سامنے اپنی من گھڑت حدیثیں روایت کیا کرتے تھے۔ سنیوں کے رجال کی کتابوں میں تو ان جیسوں کا ذکر ہونے کی کوئی خاص وجہ نہ تھی مگر غیر ثقہ ہونے کی وجہ سے شیعوں کی بھی مختصر کتابوں میں ان دونوں کا ذکر نہیں ملتا۔ البتہ علامہ تفریشی نے اپنی کتاب نقدالرجال میں ان دونوں کا ذکر کیا ہے اور دونوں کو وضاع و کذاب لکھا ہے اور پھر خطیب بغدادی جن کی ولادت ۳۹۲ھ میں ہے یہ ۴۱۵ھ میں ۲۳ سال کی عمر میں نیشاپور گئے تھے۔ اس وقت ان کو اتنی مہارت کہاں تھی کہ کھوٹے کھرے کی تمیز کرتے فضل بن شاذان کا غلغلہ نیشاپور میں سنا۔ ان کے بیٹے، پوتے سے ملے اور ان سے حدیثیں بھی لے لیں۔

مگر یہ فضل بن شاذان صاحب کے بیٹے ابو علی الحسن جن سے روایت کر رہے ہیں یعنی مکرم بن احمد بن محمد بن مکرم القاضی یہ بالکل

مفقودالخبر شخص ہیں ان کا پتا کہیں نہیں ملتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی کوئی اسم بے مسمیٰ ہے۔ اور یہ مکرم بن احمد صاحب روایت کرتے ہیں۔ محمد بن احمد بن الولید بن بردالانطاکی سے۔ ابن حجر اور حافظ ذہبی تو ان کا ذکر نہیں کرتے ہیں، مگر ابن السمعانی نے ان کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے ۳۷۸ھ میں ۵۹ سال کی عمر میں وفات پائی۔ پھر یہ انطاکی صاحب روایت کرتے ہیں محمد بن عیسیٰ بن الطباع سے جن کی وفات ۲۲۴ھ میں اور ولادت ۱۵۰ھ میں ہے۔ تو انطاکی صاحب تو ابن الطباع کی وفات کے وقت پانچ برس سے زیادہ کے نہیں ٹھہرتے۔ پھر یہ انطاکی روایت سے ابن الطباع سے کس طرح صحیح ہوسکتی ہے؟ دراصل یہ سلسلہ اسناد سی ابو علی حسن بن ابی بکر بن شاذان کی من گھڑت ہے۔ متن حدیث بھی گھڑلی اور اسناد بھی جوڑلئے۔ راویوں کے سنین ولادت و وفات کا یاد رکھ، خصوصاً اس وقت جبکہ یہ فن پوری طرح مرتب و مدون بھی نہیں ہوا تھا کچھ کھیل نہ تھا اور پھر کون اتنی جستجو کرتا ہے یہ سمجھکر انداز و قرائن سے کام نکالا مگر دروغ کو فروغ نہیں ہوتا۔ آخر کبھی نہ کبھی جھوٹ طشت از بام ہوکر رہتا ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار برس کے بعد یہ وقت رکھا تھا۔

جابر بن عبداللہ والی حدیث

حضرت جابر بن عبداللہ کی طرف جو حدیث منسوب کی گئی ہے اس کی روایت حضرت جابر سے محمد بن عبدالمنکدر کرتے ہیں اور ان سے صرف دو شخص عباد بن کثیر اور یزید الرقاشی یزید بن آبان البصری الرقاشی کے بارے میں تہذیب التہذیب میں ہے کہ امام شعبہ فرماتے تھے کہ میں

ان سے حدیث روایت کرنے سے زنا کرنا بہتر سمجھتا ہوں - امام احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ اس کی حدیث لکھنی نہیں چاہئے۔ یہ سخت منکر الحدیث ہے - نسائی اور حاکم نے کہا کہ یہ متروک الحدیث غیر ثقہ ہے اور یہ بھی کہا کہ اس سے حدیث روایت کرنا جائز نہیں ہے - وغیر ذالک۔

اور عباد بن کثیر البصری کو تو صاف وضاع و کذاب لکھا ہے - عباد بن کثیر سے اس حدیث کی روایت عباد بن صہیب ---- کرتے ہیں جو اپنے استاد عباد بن کثیر سے بھی زیادہ اکذب الناس ہیں۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

ابن عباسؓ والی حدیث

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی طرف منسوب دو حدیثیں ابو بکر خطیب نے کفایہ میں اس موقع پر نقل کی ہیں جن میں سے ایک مذکورہ بالا قسم کی حدیث ہے وہ یہ ہے - ابو بکر خطیب لکھتے ہیں کہ مجھے خبر دی حسن بن ابی طالب نے، ان سے عمر بن احمد بن عثمان الواعظ نے ان سے احمد بن اسحاق بن البہلول نے ان سے ان کے والد (اسحاق بن بہلول) نے - ان سے سمرہ بن حجر نے ان سے حمزہ بن ابی حمزۃ النصیبی نے ان سے عمرو بن دینار نے ان سے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ -

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مابال اصحاب الحشایا یکذبونی عسیٰ احدکم یتکی وعلیٰ فراشہ یا کل مما فاء اللہ علیہ فئو تی یحدث عنی الا حادیث یقول لا ارب لی فیھا- عندنا کتاب اللہ مانھاکم عنہ فانتھوا و ما امرکم بہ فاتبعوہ -

(یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا حال ہے فرشوں

والوں کا کہ جھٹلاتے ہیں مجھ کو۔ عنقریب کوئی تم میں کوئی اپنے فرش پر تکیہ لگائے کھاتا ہوگا جو کچھ اللہ نے اس کو دیا ہے تو اس کے پاس میری حدیثوں میں کوئی حدیث بیان کی جائیگی تو وہ کہے گا کہ ہم کو ان سے کچھ کام نہیں۔ ہمارے پاس کتاب اللہ ہے۔ بس سے کتاب اللہ نے تمہیں روکا ہے اس سے باز رہو اور جس کا تمہیں حکم دیا ہے اس کا اتباع کرو)۔
اس روایت میں وہ مثلہ معہ وغیرہ الفاظ تو نہیں ہیں مگر مضمون وہی ہے تو اب اس کے راویوں کو بھی دیکھ لیجئے۔ ابو بکر خطیب کے بعد ان کے شیخ سے پانچ سیڑھی تک تو مجاہیل اور غیر معروف لوگوں کے نام ہیں چھٹے صاحب حمزہ بن ابی حمزہ النصیبی ہیں جن کے بارے میں ابن حجر تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں کہ یہ عام طور سے جو حدیث بھی روایت کرتے ہیں وہ منکر ہی ہوا کرتی ہے اور موضوع ۔ ثقہ لوگوں سے یہ موضوع حدیثیں روایت کیا کرتا ہے۔ ابن عدی نے کہا کہ یہ خود حدیثیں گھڑا کرتا ہے۔ وغیر ذالک ۔ اب اس کے بعد اس حدیث کے متعلق نہ کچھ کہنے کی ضرورت ہے نہ کچھ پوچھنے کی۔

روایت رجم

حضرت ابن عباسؓ کی دوسری حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہے بلکہ حضرت عمرؓ سے منسوب ہے اور مسئلہ رجم سے متعلق ہے مسئلہ رجم کے متعلق بھی ایک مسودہ مضمون میرے پاس تیار ہے اللہ نے چاہا تو کبھی وہ بھی ہدیہ ناظرین ہو جائے گا بہر حال یہاں چونکہ یہ

---

۱ حضرت عبداللہ بن عباس کی جو حدیث اس کے بالکل برعکس بخاری میں ہے وہ آگے متن میں آتی ہے یہ حدیث صحیح ہے یا صحیح بخاری والی؟

چیز سامنے آگئی ہے تو اس کی تنقید پیش کئے دیتا ہوں۔

ابو بکر خطیب کفایہ میں روایت کرتے ہیں حسن بن ابی بکر سے، وہ ابو سہل احمد بن محمد بن عبداللہ بن زیاد القطان سے وہ اسمعیل بن اسحاق القاضی سے، وہ عبداللہ بن محمد بن اسماء سے، وہ مالک بن انس سے وہ زہری سے وہ عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود سے وہ عبداللہ بن عباسؓ سے کہ انھوں نے کہا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا اور ان پر کتاب اتاری اور جو کچھ نازل کیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ان میں آیت رجم بھی تھی تو ہم لوگوں نے پڑھا اس کو اور سمجھا اس کو اور یاد کیا اسکو[1]۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور آپ کے بعد ہم لوگوں نے رجم کیا۔ اور میں ڈرتا ہوں کہ لوگوں پر طول زمانہ گزر جائے تو کوئی شخص کہے کہ ہم کتاب اللہ میں آیت رجم نہیں پاتے ہیں تو ترک ہو جائے ایک فریضہ جس کو اللہ نے نازل کیا ہے تو بیشک رجم کتاب اللہ میں ہے حق ہے اس پر، جو زنا

۱۔ آیت رجم قرآن کی دوسری آیتوں کی طرح جب اتری اور صحابہؓ نے اس کو پڑھا اور سمجھا اور یاد بھی کیا پھر اس پر عمل بھی ہوتا رہا عہد نبوی میں بھی اور عہد خلفائے راشدین میں بھی تو پھر قرآن سے اس کو خارج کس نے کیا؟ اور یہ کیوں قرآن سے نکال باہر کی گئی کہ بعد والوں کو اس کے متعلق یہ شبہ ہونے کا اسی وقت گمان ہوا تھا کہ کوئی آیت منزل من اللہ نہیں ہے؟ اگر یہ واقعی حضرت عمرؓ کا قول ہوتا تو حضرت عمرؓ ضرور اس کو واضح فرما دیتے کہ علاں وجہ سے اس آیت کو قرآن میں نہیں لکھا گیا۔ اس روایت کے الفاظ ہی اس کے کذب و افترا کی شہادت دے رہے ہیں۔ یہ ہر لحاظ سے کسی منافق کی گھڑی ہوئی کہانی ہے۔ (تمنا)

اس پر تفصیلی بحث کے لئے ادارہ فکر اسلامی کاشف حنفیہ، گارڈن ایسٹ کراچی کی شائع کردہ کتاب "رجم حد ہے یا تعزیر" ملاحظہ ہو جس میں رجم والی روایت اور مسئلہ رجم پر نہایت مفصل اور مدلل گفتگو کی گئی ہے اور رجم کی روایت کے خلاف مولانا عبیداللہ سندھی اور کئی مصری و عرب علماء کے دلائل پیش کئے گئے ہیں۔ (طاہر)

لے جب کہ وہ شادی شدہ ہو مردوں سے اور عورتوں سے جب کہ منتبہ (گواہ در دلیل) اس پر قائم ہو جائے اگر وہ حمل ہو، یا اعتراف ہو۔

اس حدیث کے سلسلہ اسناد میں اسماعیل بن اسحاق القاضی کا نام آپ نے دیکھا ان کے متعلق ابن حجر لکھتے ہیں کہ کان یضع الحدیث یعنی یہ حدیثیں گھڑا کرتے تھے۔ باقی تفصیلی بحث انشاء اللہ مسئلہ رجم والے مضمون میں آئیگی یہاں اتنا ہی کافی ہے۔

علقمہ والی روایت

اب رہ گئی صرف علقمہ والی روایت یہ بھی کوئی حدیث نبویؐ نہیں ہے اور نہ اس کا کوئی صحیح تعلق مثلہٗ معہٗ کے مضمون سے ہے۔ بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعود کا ایک استدلال ان سے روایت کیا گیا ہے وہ یہ ہے۔ ابو بکر خطیب روایت کرتے ہیں عبداللہ بن یحییٰ العسکری سے وہ محمد بن احمد بن الحسن سے وہ بشر بن موسیٰ سے وہ حمیدی سے وہ سفیان سے وہ منصور ابن معتمر سے وہ ابراہیم نخعی سے وہ علقمہ سے کہ بنی اسد کی ایک عورت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس آئی اور اس نے ان سے کہا کہ مجھ کو خبر ملی ہے کہ تم نے ایسے ایسے کہا ہے واشمہ[1] اور متوسمہ کے متعلق۔ تو وہ کون سی قرأت ہے دو لوحوں کے درمیان میں تو نہیں پاتی ہوں جس کو تم کہتے ہو اور میں اپنے متعلق اس کی وجہ سے گمان کرتی ہوں کہ میں ہلاک ہو جاؤں گی۔ حضرت ابن مسعودؓ نے اس سے کہا کہ جا گھر میں داخل ہو اور غور سے دیکھ۔ تو میں داخل ہوئی اور میں نے دیکھا تو کچھ بھی نہیں دیکھا تو پھر نکلی اور کہا حضرت ابن مسعودؓ سے کہ میں نے تو کچھ نہیں

---

[1] یعنی گودنا گودوانے والی۔

دیکھا۔ تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس سے فرمایا کیا تو نے نہیں پڑھا
ما اتٰکم الرسول[1] فخذ وہ و ما نھٰکم عنہ فانتھو ۵۹ / ۷، تو اس عورت نے کہا کہ ہاں۔ تو ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ وہ بھی ہے۔

یہ استدلال ان روایت پرست راویان حدیث کا بہت پرانا مگر بحث بودا استدلال ہے اور اس کو قوی و مستحکم کرنے کے لئے اس استدلال کو کبھی امام شافعیؒ کی طرف منسوب کیا ہے کبھی کسی کی طرف اور یہاں کنایہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف اس کو منسوب کر دیا ہے۔ اس سلسلہ میں ابو بکر خطیب کے شیخ اور شیخ الشیخ تو مجہول الحال ہیں۔ مگر ان کے شیخ الشیخ کے شیخ بشر بن موسیٰ عجیب و غریب شخص ہیں معروف اور مجہول بھی مجہول اس لئے کہ رجال کی تمام کتابیں چھان ڈالئے آپ کو بشر بن موسیٰ کا پتا نہیں مل سکتا اور معروف اس حیثیت سے کہ اگر بشر کی شین پر تشدید دے کر کھڑا زبر دیدیجئے اور اس کو بشّار بن موسیٰ پڑھئے تو پھر بشار بن موسیٰ کو رجال کی جس کتاب میں ڈھونڈیئے آپ کو مل جائیں گے۔ مگر محدثین محض بخیال تدلیس سلسلہ روایت میں ان کا نام ہمیشہ بغیر الف ہی کے لکھتے ہیں تاکہ ناواقف غریب کتب رجال میں اگر بے الف والے کو ڈھونڈے تو کہیں نہ ملے اس لئے کہ اس نام کا کوئی راویٔ حدیث ہے ہی نہیں اور الف کے ساتھ دیکھے تو کہئے کہ

---

[1] یہ آیت سورہ حشر کے پہلے رکوع میں ہے۔ مال غنیمت کی تقسیم کے سلسلے میں وارد ہے۔ عموم لفظ سے مفہوم کو وسعت بھی دی جائے گی تو کسی مناسبت کے ساتھ نہ کہ بے جوڑ مال غنیمت پر صدقات و زکوٰۃ وغیرہ کی تقسیم کا بھی اس آیت کا عموم لفظ اثر انداز ہو سکتا ہے نہ کہ اس کے تحت میں حدیثیں بھی زبردستی گھسیٹی جائیں۔ بہر حال اگر حدیثیں بھی اس کے عموم میں کھینچ کر داخل کرلی جاسکتی ہیں تو صحیح حدیثیں جو واقعی ما اتٰکم الرسول ہوں نہ کہ وضاعین و کذابین کی بر من گھڑت روایت؟ جو حدیثیں قرآن کے خلاف ہوں وہ تو ما نھٰکم عنہ میں داخل ہیں نہ کہ ما اتٰکم میں۔ (تمنا)

یہ تو الف والا کوئی اور ہے - اور یہ درحقیقت وہی الف والا بشار بن موسیٰ ہے۔ متعلق ابن حجر تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں عمرو بن علی نے انہیں ضعیف الحدیث کہا نسائی نے غیر ثقہ کہا۔ امام بخاری نے منکر الحدیث کہا۔ ابن معین نے بھی غیر ثقہ کہا اور دجالوں میں شمار کیا۔ وغیرہ ذالک - ۲۲۸ھ میں دنیا سے سدھارے۔

غرض اس باب میں جتنی حدیثیں ابو بکر خطیب بغدادی نے اپنی کفایہ میں لکھی تھیں اور بھی بعض دوسری کتابوں میں مسئلہ معہٗ والی روایتیں ہیں، میں نے ان سب کی تنقید کر کے دکھا دی کہ یہ سب روایتیں در اصل اہل شام خصوصاً اہل حمص و اہل نیشاپور اور خراسان و کوفہ و بصرہ و واسط والوں کی من گھڑت حدیثیں ہیں جو ایک مستقل سازش کے ماتحت گھڑی گئیں اور ان کی اشاعت کی گئی اور مصنفین کتب حدیث کی کتابوں میں کسی طرح سے داخل کرا دی گئیں جن کی کتابوں میں داخل کی جا سکیں۔

حرمتِ حمرِ اہلیّہ

ان بائیس طرق میں سے بعض طرق میں حمر اہلیہ یعنی پالتو گدھے کے گوشت کی حرمت کا بھی ذکر ہے - چنانچہ اوپر ایک مقام پر جو حضرت مقدام بن معد یکرب سے ایک روایت بطور مثال پیش کی گئی ہے اس میں پالتو گدھے کے گوشت کی حرمت کا ذکر موجود ہے ان بائیس طرق میں سے چھ طرق میں حضرت مقدام کی طرف جو دس طرق منسوب ہیں ان میں سے پانچ طرق میں اور حضرت عرباض کی طرف تو ایک ہی حدیث منسوب ہے - اس ایک حدیث میں پالتو گدھے کی حرمت کا ذکر

ہے۔ اور ابو رافع یا جابر بن عبداللہ وغیرہم کی روایتوں میں پالتو گدھے کا ذکر ہی نہیں ہے اور صرف مقدام بن معد یکرب کی دو روایتوں میں جن میں عبدالرحمان بن مہدی کا نام اسناد میں مذکور ہے یوم خیبر کا ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن چند چیزوں کو حرام کیا اور جو کچھ فرمایا کہ قرآن کے علاوہ بھی ہمیں قرآن ہی کے برابر ملا ہے یا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کیا وہ ویسا ہی ہے جیسا کہ اللہ نے حرام کیا وغیر ذالک۔ یہ سب خیبر ہی کے دن فرمایا تو ان بائیس طرق میں سے صرف دو طرق میں یوم خیبر کا ذکر ہے مگر چونکہ ان بائیسوں طرق کے گھڑنے والے خراسانی، شامی، کوفی اور دوسرے عراقی وغیرہ ہیں جن میں شیعوں کی بھی کافی تعداد تھی اس لئے حمر اہلیہ کے گوشت کی حرمت کا تو ذکر کیا مگر متعہ کی حرمت کا ذکر کسی ایک روایت میں بھی نہیں کیا گیا حالانکہ صحیح بخاری، یا صحیح مسلم کی حدیثوں میں یوم خیبر میں پانچ چیزوں کی حرمت یا ممانعت کا ذکر ہے جن میں عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے کی حرمت کا بھی ذکر ہے اور یہ سب لغویات کہ ہم کو قرآن ملا ہے اور "مثلہ معہ" بھی۔ یا۔ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کیا وہ اس کے مثل ہے جس کو اللہ نے حرام کیا۔ اور یہ کہ عنقریب ایک شخص اپنے تخت پر تکیہ سے ٹیک لگائے ہوئے کہے گا کہ ہم کو حدیث کی ضرورت نہیں قرآن ہمارے لئے کافی ہے۔ وغیرہ ذالک یہ سب بخاری و مسلم کی کسی ایک روایت میں بھی نہیں ہے۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم کی حدیثیں

صحیح بخاری میں "باب لحوم الحمر الانسیہ" ایک مستقل باب باندھ کر

اس باب میں آٹھ حدیثیں درج کی ہیں جن میں سے بعض میں یوم خیبر کی تصریح موجود ہے اور بعض میں لحوم الحمر کے ساتھ سباع ذی ناب (نوکیلے دانت والے درندے) کی بھی حرمت کا ذکر ہے اور بعض میں متعہ کی حرمت کا بھی۔

اسی طرح صحیح مسلم میں بھی "باب تحریم اکل لحم الحمر الانسیہ" کے تحت میں سترہ حدیثیں نقل کی ہیں۔ ان میں بھی بعض میں یوم خیبر کا ذکر موجود ہے اور بعض میں متعہ کی حرمت کا بھی ذکر موجود ہے مگر بخاری و مسلم کی ان پچیس حدیثوں میں سے کسی ایک میں بھی وہ مسئلہ متعہ وغیرہ خرافات جو کشافیہ و ابو داؤد و ترمذی و ابن ماجہ و مسند احمد کی بائیس حدیثوں میں مذکور ہیں کہیں ان کی طرف کوئی اشارہ بھی نہیں۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ اضافے خراسان و نیشاپور و شام و کوفہ و دیگر بلاد عراق میں بعد کو گھڑے گئے اور متاخرین کی کتابوں میں ان کے داخل کر دینے کا موقع مل گیا، مگر متقدمین کی کتابیں جن کی نقلیں کافی طور سے ممالک اسلامیہ میں اس وقت شائع ہو چکی تھیں ان میں یہ ... داخل کرنے کی گنجائش نظر نہ آئی۔ اسی لئے موطا اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں یہ اضافے درج نہ ہو سکے۔

محدثین کی کتابوں میں جھوٹی حدیثیں داخل کر دی جاتی تھیں

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنی کتاب تحفہ اثنا عشریہ ص ۳۲ کید سی و دوم مطبوعہ نول کشور میں تحریر فرماتے ہیں۔

"در شہر دہلی در عہد بادشاہ محمد شاہ دو کس بودند از امرائے ایں فرقہ یعنی مرتضیٰ خاں و مرید خاں کہ کتب اہل سنت را مثل صحاح ستہ مشکوۃ و بعضے تفاسیر بخط خوش مے نویسانیدند، ودراں احادیث مطلب خود از کتب

امامیہ برآوردہ داخل مے نمودند۔ ایں نسخ را مجدول و مطلا مذہب نمودہ بقیمت سہل درگذری مے فروختند۔ و در اصفہان آغا ابراہیم بن علی شاہ، کہ یکے از امرائے کبار سلاطین صفویہ بود، ہمیں اسلوب عمل کردہ۔*
مگر یہ کوئی نیا دستور اس جماعت کا نہ تھا۔ ابتدا سے روافض اور ملاحدہ عجم جو خراسان، شام، عراق اور مصر وغیرہ میں تخریب اسلام کی جدو جہد میں لگے ہوئے تھے، ان میں سے ایک جماعت کا یہی دستور تھا چنانچہ ابن حجر تہذیب التہذیب ج ۸ - ۳۶۱ ترجمہ قتیبہ بن سعید بن جمیل میں لکھتے ہیں کان خالد المدینی یدخل الحدیث علی الشیوخ - خالد مدائنی اساتذہ حدیث کی کتابوں میں حدیثیں داخل کر دیا کرتا تھا اس کی موت ۲۱۱ ھ میں ہوئی۔

حماد بن سلمہ کے ترجمے میں لکھتے ہیں کہ ان بعض الکذابین دخل فی حدیثہ مالیس منہ بعض کذابین نے ان کی حدیثوں میں ایسی حدیثیں داخل کر دیں جو ان میں نہ تھیں آگے چل کر صاف لکھتے ہیں کہ انھا دست فی کتبہ یعنی وہ حدیثیں ان کی کتابوں میں داخل کر دی گئیں۔

---

* محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں شہر دہلی میں دو اشخاص مرتضیٰ خان اور مرید خان رہتے تھے جو فرقہ شیعہ کے امرا میں سے تھے وہ اہل سنت کی کتابوں (مثلاً صحاح ستہ، مشکوۃ اور بعض تفاسیر) کی بہت خوبصورت اور دیدہ زیب کتابت کراتے اور اپنے مطلب کی حدیثیں کتب امامیہ سے لیکر ان میں داخل کرا دیتے تھے پھر ان نسخوں کی جلد بندی اور اُن کو منقش و مطلا کرا کر بہت سستے داموں اہل سنت کے ہاتھوں فروخت کر دیا کرتے تھے۔ اسی طرح شہر اصفہان میں آغا ابراہیم بن علی شاہ جو سلاطین صفویہ کے امرائے کبار میں سے ایک تھا اسی طریقہ پر عمل کرتا تھا۔

وراقین و کاتبین

ان وضاعین و کذابین میں کچھ لوگوں نے وراقی یعنی جلد بندی اور کتابت کا پیشہ اختیار کر لیا تھا جو محدثین کے تلامذہ میں داخل ہو کر پہلے محدثین میں اپنا رسوخ قائم کرتے تھے پھر اپنا پیشہ ظاہر کرکے ان سے کتابت کے لئے یا وراقی کے لئے ان کی کتابیں لیکر ان میں --- اپنی طرف سے حدیثیں داخل کر دیا کرتے تھے اور ان کی حدیثوں میں گھٹا بڑھا بھی دیتے تھے۔ ابن حجر، احمد بن جوصا کے ترجمے میں لکھتے ہیں کہ ان کا ایک وراق تھا جو ان سے حدیثیں پڑھتا بھی تھا اور ان کی کتابیں نکالتا رکھتا بھی تھا۔ اس سے ان کی کچھ ان بن ہو گئی تو انھوں نے اس کی جگہ ایک دوسرا وراق رکھنا چاہا تو اس پہلے وراق نے ان کی کتابوں میں کچھ ایسی حدیثیں داخل کر دیں جو ان کی حدیثیں نہ تھیں جن کو یہ نادانستہ اپنی حدیثیں سمجھ کر روایت کرنے لگے۔ (لسان المیزان ج۔ ۱۔۔ ۲۴۳)

حبیب بن ابی حبیب ابو محمد البصری۔ امام مالک کا کاتب تھا۔ وراقی بھی کیا کرتا تھا۔ حافظ ذہبی میزان الاعتدال میں اور ابن حجر لسان المیزان میں اس کا مفصل حال لکھتے ہیں اور اس کو "اکذب الناس" لکھا ہے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ "مدینے میں وراقی کرتا تھا محدثین کی کتابوں کی۔ اور ثقہ لوگوں سے موضوع حدیثیں روایت کیا کرتا تھا۔ ان کی کتابوں میں وہ حدیثیں داخل کر دیتا تھا جو ان کی حدیثیں نہیں ہوتی تھیں۔ لکھا ہے کہ اس کی کل حدیثیں موضوع ہی ہوا کرتی تھیں۔ ۲۱۸ھ میں مرا۔ (میزان الاعتدال ج ۱ - ۲۱۰)

غرض جب یہ زبردست سازش تھی تو اگر صحاح ستہ اور خود موطا میں بھی بعض موضوع حدیثیں داخل کر دی گئی ہوں تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے۔ بخاری و مسلم کو حدیث کی دوسری کتابوں کے اعتبار سے ہم بھی زیادہ صحیح سمجھتے ہیں مگر ان کی حفاظت کا وعدہ قرآن کی طرح اللہ تعالیٰ نے نہیں کیا ہے۔ اس لئے اگر ان میں بھی دوسری کتابوں سے کم ہی سہی مگر تصحیف و تحریف ہو اور کچھ غلط حدیثیں داخل کر دی گئی ہوں اور بعض صحیح حدیثیں ان میں سے نکال دی گئی ہوں تو ان منافقین و ملاحدۂ عجم کی زبردست سازش کے ہوتے کیا استحالۂ عقلی لازم آتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ حفاظت کا وعدہ صرف قرآن مجید ہی کے متعلق ہے اس لئے باوجود اتنی گہری سازشوں اور اسقدر اختلافات قرأت کے زبردست پروپیگنڈے کے ساری دنیائے اسلام میں صرف وہی ایک قرأت متواترہ و متوارثہ مروج ہے جو عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے آج تک کتابۃ تلاوۃ۔ قراۃ۔ اور حفظاً چلی آرہی ہے اور دوسری قرأتیں صرف علم قرأت کے مجلدات تفسیر اور روایات کے دفاتر اور فقہاء کی کتابوں ہی میں مدفون ہیں کتابت و تلاوت و قرأت و حفظ سے ان قرأتوں کا کوئی تعلق نہیں۔ تو جو حفاظت اللہ تعالیٰ نے صرف قرآن ہی کے لئے مخصوص رکھی ہے تو اس کو صرف قرآن ہی کے لئے مخصوص رہنا چاہیئے۔ دوسری کوئی کتاب اس حفاظت و محفوظیت میں اس کی شریک نہیں ہو سکتی۔

ابن عباسؓ کی حدیث بخاری میں

مگر صحیح بخاری ہی میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت تو یہ ہے کہ انھوں نے پالتو گدھے کے گوشت کے حرام ہونے سے انکار کیا اور قرآن کی

یہ آیت پڑھی کہ قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ لآیہ یعنی حضرت ابن عباسؓ نے قرآن سے استدلال کیا کہ بس قرآن نے جن چیزوں کو حرام کیا ہے وہی حرام ہیں ان کے سوا اور کسی چیز کے حرام ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ دیکھئے بخاری باب لحوم الحمر الانسیہ ج ۲۔ جسکی شرح میں ابن حجر فتح الباری میں حضرت ابن عباسؓ کا ایک قول اور نقل فرماتے ہیں لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جاہلیت والے بعض چیز کھاتے تھے اور بعض چیز کو ترک کر دیتے تھے اس کو نجس سمجھ کر۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مبعوث کیا اور ان پر اپنی کتاب اتاری اور اس کتاب کے بتائے ہوئے حلال کو حلال کیا اور اسکے بتائے ہوئے حرام کو حرام کیا جس کو اس کتاب میں حلال کیا ہے وہ حلال ہے اور جس کو اس کتاب میں حرام کیا ہے وہ حرام ہے اور جس سے سکوت اختیار کیا ہے تو وہ معاف ہے اور یہ آیت پڑھی قل لا اجد آخر تک (فتح الباری ج ۲۔ صفحہ ۲۱۳ مطبوعہ مطبع انصاری دہلی) اب بتایئے حضرت ابن عباسؓ کی طرف جس حدیث کو حمزہ بن ابی حمزہ النصیبی جیسے وضاع و کذاب کی روایت سے منسوب کرکے ابو بکر خطیب اپنی کتاب کفایہ میں نقل کر رہے ہیں وہ صحیح ہے یا حضرت ابن عباسؓ کی وہ حدیث صحیح ہے جس کو امام بخاری اپنی کتاب صحیح بخاری میں روایت کر رہے ہیں اور ابن حجر فتح الباری میں نقل کر رہے ہیں؟

مشکوۃ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن پانچ عنوانات پر اترا ہے حلال و حرام اور محکم و متشابہ اور امثال تو اسی کے حلال کو حلال سمجھو اور حرام کو حرام سمجھو اور محکم پر عمل کرو اور متشابہ پر ایمان رکھو اور امثال سے عبرت حاصل کرو

دوسری حدیث حضرت ابو ثعلبہ الخشنی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے فرائض فرض کئے ہیں ان کو ضائع نہ کرو اور کچھ چیزوں کو حرام کیا ہی تو ان کی خلاف ورزی نہ کرو اور کچھ حدود مقرر کئے ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اور بغیر بھول چوک کے بعض چیزوں سے قصداً سکوت اختیار کیا ہے' ان کی کرید میں نہ پڑو۔

ترک بعض وحی

اگر واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کے ساتھ مثلہ 'معہ' بھی ملا تھا تو پھر آخر جس طرح آپؐ نے قرآن کی کتابت و تلاوت و قرات و حفظ کا اور اس کی تعلیم کا انتظام فرمایا' حدیثوں کو کیوں بالکل چھوڑ دیا؟ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ فلعلک تارک بعض ما یوحی الیک[۱] کے خود سے مصداق ہے۔ یعنی جو آپؐ سے فرمایا گیا کہ شاید تم بعض وحی کو چھوڑ دو گے ان کفار و مشرکین کے خیال سے؟ (ہود ۲) تو آپؐ نے اس مثلہ 'معہ' کو جو قرآن کے ساتھ آپؐ کو ملا تھا خود سے چھوڑ دیا اور ضائع ہونے دیا؟

سب سے پہلے حسبنا کتاب اللہ کہنے والے

اگر یہ کفایہ وغیرہ کی مثلہ 'معہ' والی حدیثیں صحیح ہوتیں تو حضرت صدیق اکبرؓ پانچ سو حدیثوں کو جمع کرکے جلا نہ دیتے اور حضرت فاروق اعظمؓ (جمع سنن) کا ارادہ کرکے پھر اس سے رک نہ جاتے اور یہ نہ فرماتے کہ "حسبنا کتاب اللہ" یعنی ہمارے لئے کتاب اللہ کافی ہے حضرت صدیق اکبرؓ حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے بعض خطبوں میں یہ موجود ہے کہ قرآن کے بتائے ہوئے حلال کو حلال سمجھو اور قرآن کے بتائے ہوئے حرام کو حرام نہ سمجھو اور جس چیز سے قرآن نے سکوت اختیار کیا اس کی کرید میں نہ پڑو۔ چونکہ طوالت کا خوف ہے ورنہ اس مضمون کے اقوال اکثر صحابہؓ کے ملیں گے اور اس کی متعدد مثالیں مل سکتی ہیں مگر جو لوگ یستمعون القول فیتبعون احسنہ[۲] او القی السمع وھو شھید[۳] کے مصداق ہیں الذی جاء بالصدق و صدق بہ اولئک ھم المتقون[۴] کے مطابق سچی بات کے قبول کرلینے کے لئے ہر وقت تیار ہیں ان کے لئے جتنا لکھا جا چکا ہے وہی بہت کافی ہے اور جو لوگ روایت پرستی ہی کو دین سمجھتے ہیں ان کی ہٹ دھرم طبیعت کے لئے لاکھ دلائل پیش کئے جائیں وہ تو ماننے والے ہی نہیں ہیں اسی لئے اسی قدر پر اکتفا کرتا ہوں۔ ❁

نوٹ : علامہ تمنا کے حالات کے لئے اسی ادارہ کی شائع کردہ کتاب اعجاز القرآن ملاحظہ فرمائیں جس میں سے یہ مضمون لے کر کتابچہ کی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔

القرآن ۱ ۱۱/۱۲ ، ۲ ۳۹/۱۸ ، ۳ ۵۰/۳۷ ، ۴ ۳۹/۳۳